مسلک اعلیٰ حضرت و جمہور علماء اہلسنت کے افکار و نظریات کا ترجمان

الرضا

پٹنہ انٹرنیشنل

AL-RAZA (International) Patna

جولائی، اگست ۲۰۲۰ء
Jul. Aug. 2020



عالم اسلام کو
عید اضحیٰ مبارک



اے چشم شعلہ بار ذرا دیکھ تو سہی

کیا علامہ ڈاکٹر آصف جلالی کی گرفتاری، معاصرانہ چشمک اور مار آستین رافضیت کی فسوں کاری ہے؟؟

باغ فدک کے تحقیقی فتوی کی تصدیق جلیل

"۔۔۔۔۔۔میں محترم مولانا جلالی صاحب مدظلہ کو مبارک باد دیتا ہوں، وہ بڑے خوش نصیب ہیں کہ کسی جرم میں ماخوذ ہو کر نہیں، حضرت فاطمہ زہرا کے والد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمودہ عقیدہ حقہ کے تحفظ کی خاطر قید و بند کی مشقتیں جھیل رہے ہیں۔ اس طرح سنت مجدد الف ثانی کی تجدید ہو رہی ہے۔ کیا بعید کہ خدائے قدیر و ہادی ان کی اسیری کے صدقے وقت کے "جہاں گیروں" کو ہدایت دے دے۔۔۔۔۔۔"

فقیر محمد مطیع الرحمن رضوی غفرلہ



وبائی امراض اور تعلیمات نبوی

باغ فدک کے حوالے سے پیدا شدہ بحران پر تحقیقی فتوی

اطلاق خطا اور گستاخی کا شور: ایک جائزہ

باغ فدک کے مسئلہ کا حالیہ بحران: حقیقت کی تلاش

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد



مسلکِ اعلیٰ حضرت و جمہور علماء اہلسنت کے
افکار و نظریات کا ترجمان

دوماہی

الرّضا

انٹرنیشنل پٹنہ

جلد نمبر ۵ — شمارہ نمبر ۳۳تا۳۴

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna

مارچ تا اگست ۲۰۲۰ء

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

دوماہی 'الرضا' انٹرنیشنل، پٹنہ

ہیرا کامپلیکس، قطب الدین لین، نزد دریاپور مسجد
سبزی باغ، پٹنہ 800004 رابطہ: 9973362000 / 8521889323
ای میل: alraza1437@gmail.com

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna
C/o. AL-Qalam Foundation, Behind Shadi Mahal
Khajoorbanna, Sultaganj, Patna - 6 E-mail: alraza1437@gmail.com
Contact / Telegram / Whtsapp : 9835423434, A/c. No.
Md. Amjad Raza Khan, CBI A/c. 3503380262, IFSC Code cbin0283732
Jagan Nath Singh Lane, Chawdhritola, Patna

رابطہ: (مدیر اعلیٰ) amjadrazaamjad@gmail.com/9835423434
پتہ: القلم فاؤنڈیشن نزد شادی محل، سلطان گنج پٹنہ ۶ (بہار)

گول دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر سالانہ ختم ہو چکا ہے براے کرم اپنا زر سالانہ ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ بروقت موصول ہو سکے۔

قیمت فی شمارہ: ۲۵ روپے، سالانہ ۱۵۰ روپے بیرون ممالک سالانہ ۲۰ امریکی ڈالر

پرنٹر پبلشر احمد رضا صابری ڈائریکٹر احمد پبلیکیشنز (پرائیویٹ لمیٹیڈ) نے سبزی باغ سے طبع کر کے دفتر دوماہی الرضا انٹرنیشنل، پٹنہ سے شائع کیا۔

مشمولات



منظومات

منظومات

کہ تجھ سے کوئی اوّل ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے

حسان الہند امام احمد رضا قادری

نہ عرش ایمن نہ اِنّی ذاہبٌ میں میہمانی ہے
نہ لطفِ اُدْنُ یا اَحْمدْ نصیبِ لَنْ ترَانِی ہے

نصیبِ دوستاں گر اُن کے دَر پر مَوت آنی ہے
خدا یوں ہی کرے پھر تو ہمیشہ زندگانی ہے

اُسی در پر تڑپتے ہیں مچلتے ہیں بلکتے ہیں
اٹھا جاتا نہیں کیا خوب اپنی ناتوانی ہے

ہر اِک دیوار و در پر مہر نے کی ہے جبیں سائی
نگارِ مسجدِ اقدس میں کب سونے کا پانی ہے

ترے منگتا کی خاموشی شفاعت خواہ ہے اُس کی
زبانِ بے زبانی ترجمانِ خستہ جانی ہے

کھلے کیا رازِ محبوب و محب مستانِ غفلت پر
شرابِ قَدْ رَاَی الْحق زیبِ جامِ مَنْ رَاٰنِی ہے

جہاں کی خاکروبی نے چمن آرا کیا تجھ کو
صبا ہم نے بھی اُن گلیوں کی کچھ دن خاک چھانی ہے

شہا کیا ذات تیری حق نما ہے فردِ امکاں میں
کہ تجھ سے کوئی اوّل ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے

کہاں اس کو شکِ جانِ جناں میں زَر کی نقّاشی
اِرم کے طائرِ رنگِ پریدہ کی نشانی ہے

ذِیَابٌ فِی ثِیَاب لب پہ کلمہ دل میں گستاخی
سلام اسلام ملحد کو کہ تسلیمِ زبانی ہے

یہ اکثر ساتھ اُن کے شانہ و مسواک کا رہنا
بتاتا ہے کہ دل ریشوں پہ زائد مہربانی ہے

اِسی سرکار سے دنیا و دیں ملتے ہیں سائل کو
یہی دربارِ عالی کنزِ آمال و امانی ہے

دُرودیں صورتِ ہالہ محیطِ ماہِ طیبہ ہیں
برستا امّتِ عاصی پہ اب رحمت کا پانی ہے

تعَالَی اللہ استغنا ترے در کے گداؤں کا
کہ ان کو عارِ فرّ و شوکتِ صاحِبْ قِرانی ہے

وہ سرگرمِ شفاعت ہیں عَرَق افشاں ہے پیشانی
کرم کا عطر، صندل کی زمیں، رحمت کی گھانی ہے

یہ سر ہو اور وہ خاکِ در، وہ خاکِ در ہو اور یہ سر
رضاؔ وہ بھی اگر چاہیں تو اب دل میں یہ ٹھانی ہے

□□□

اے چشم شعلہ بار ذرا دیکھ تو سہی

کیا علامہ ڈاکٹر آصف جلالی کی گرفتاری، معاصرانہ چشمک اور مار آستین رفضیت کی فسوں کاری ہے؟؟

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد

سن ۲۰۲۰ء ہر اعتبار سے فتنے، آزمائش، درد کرب، آہ اور صدمہ جانکاہ کا سن ہے۔ خاص کرامت مسلمہ کے لئے اور بھی مشکلات و مسائل سے بھر پور ہے، ایک قیامت سے جان چھوٹتی نہیں کہ دوسری قیامت دستک دیتی ہے۔ حساس دل کے گویا ہر لمحہ عذاب جاں ہے اور ڈاکٹر طلحہ صاحب کی زبان میں

لگا کے درد پیوند اوڑھتے رہیے
ہوئی ہے زندگی آج اک عذاب کی چادر

عالمی سطح پر امت مسلمہ تقریباً تین دہائی سے خاک وخون کے دور سے گزر رہی ہے۔ مسلم ممالک کی تاراجی سے لے کر کرونا کی مارا ماری تک، اک عذاب مسلسل ہے جس سے زندگی ہی مفلوج نہیں ہوئی ہمارے احساسات بھی زخمی ہوئے اور اس نے ہمارے ۱۴ر سو سالہ افکار پر بھی اس طرح شب خوں مار دیے کہ حق بولنے والی زبان بھی لکنت زدہ ہوگئی۔ پاکستان میں باغ فدک کے علمی اور اعتقادی مسئلہ کے حوالہ سے بھی جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے اسے ہم عالمی سطح پر اسلام کے خلاف ہونے والی منظم سازش سے الگ نہیں دیکھ سکتے۔ آج یہودیت وصیہونیت کی تغلب پسندانہ ذہنیت بعض خانقاہوں میں چھپی رافضیت کے ذریعہ اپنا مقصود حاصل کرنا چاہتی ہے، جو یقیناً اہل سنت و جماعت کے لئے لمحہ فکر یہ ہے۔ محبت اہل بیت ہمارے رگ و پے میں پیوست ہے۔ ہم اسے اپنے ایمان کا حصہ سمجھتے ہیں۔ اس سے الگ ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ اشعار ہمارے جذبات ہی نہیں عقیدہ کے بھی ترجمان ہیں۔

پارہائے صحف غنچہائے قدس
اہل بیت نبوت پہ لاکھوں سلام
خون خیر الرسل سے ہے جن کا
ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام
سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ
جان احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام
تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

مگر محبت اہل بیت کا مطلب ہرگز رافضیت نہیں کہ ہم اسے گلے کا طوق بنالیں، شان صحابہ سے کھلواڑ کی اجازت دیں اور سیدہ کائنات کے لئے خطائے اجتہادی (جو معصیت نہیں) کی نسبت جرم عظیم سمجھتے ہوئے سیدنا صدیق اکبر کو ظالم سمجھ لیں۔ آج ہمارے جو علما باغ فدک کے مسئلہ میں علامہ ڈاکٹر آصف جلالی صاحب قبلہ کے خلاف محاذ آرا ہیں انہیں مسئلہ کے ایک پہلو خطائے اجتہادی بھی قبول نہیں' پر اصرار ہے۔ انہیں بڑی سنجیدگی سے اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے کہ ان کا اصرار کہیں غیر شعوری طور پر سیدنا صدیق اکبر کے دامن تک تو نہیں پہنچ رہا ہے؟ دنیا حیرت زدہ ہے کہ کل تک جو علما عقیدہ اہل سنت کی وضاحت توضیح اور دفاع واشاعت میں سرگرم عمل تھے آج ۱۴ رسو سالہ اس متفقہ عقیدہ کے حوالہ سے کیسے متردد ہو گئے؟ اور وہی بات جو کل تک روافض سے منسوب تھی وہ کیسے ان کی انا کا مسئلہ بن گیا؟

ڈاکٹر آصف جلالی صاحب نے سیدہ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عظمت ورفعت شان، احادیث کی روشنی میں بیان کرتے ہوئے ان کی طرف اک خاص مسئلہ اور خاص تناظر میں خطا کی نسبت کی تھی۔ واقعہ کا پس منظر اور سیاق وسباق بتا رہا ہے کہ خطا سے ان کی مراد خطائے اجتہادی ہے، اہل علم کے لئے بغیر وضاحت کے بھی یہ مسئلہ عیاں تھا، مگر اس کے باوجود جلالی صاحب نے حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے خود ہی اس کی وضاحت کر دی کہ ''اس خطا سے میری مراد خطائے اجتہادی ہے اور خطائے اجتہادی معصیت نہیں، بلکہ باعث اجر وثواب ہے''۔ اب اگر کوئی اس خطائے اجتہادی کو اردو کے گناہ پر محمول کر کے شہزادی سرور کونین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو گنہگار کہنے پر محمول کرے، جیسا کہ کیا گیا، تو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے؟ مگر اس ظلم کو بھی سہتے ہوئے عوام میں پیدا کردہ اضطراب کے پیش نظر جب ڈاکٹر جلالی صاحب نے اس لفظ ہی کو بدل دیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ ''اب ہم اس مفہوم کو اس طرح ادا کریں گے کہ سیدہ کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہا معصومہ نہیں اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظالم نہیں'' اب اس کے بعد کس وضاحت کی ضرورت باقی رہ گئی تھی، کہ ان کو طنز ودشنام کا نشانہ بنایا گیا؟ یہ شریعت ہے یا اپنی طبیعت کا اجتہاد؟ کیا ان کے مخالفین یہ کہہ سکتے ہیں کہ جلالی صاحب کا موقف جماعت اہل سنت کے خلاف ہے؟ اگر ایسا ہے تو وہ علامہ جلالی کے علمی دلائل کا جواب دلائل سے کیوں نہیں دیتے؟ کیا علمی بحث کا جواب گالی ہے؟

قضیہ کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ جو علما سیدہ کائنات کی طرف خطائے اجتہادی کے انتساب پر ''آتش زیر پا'' ہیں ان کے سامنے اہل سنت کے خلاف بکواس کی جاتی ہے، کفریہ کلمات بکے جاتے ہیں اور ان کے اعتقادی موقف کے خلاف چیخ وپکار کی جاتی ہے مگر ان کے کانوں پہ جوں نہیں رینگتی، نہ ان کی شان حجیت برانگیختہ ہوتی ہے۔ اس صدی کا سب سے بڑا جرم بس ''سیدہ کائنات کی طرف خطائے اجتہادی'' کا انتساب ہے، جو انبیائے کرام کی طرف تو منتسب ہو سکتا ہے، سیدہ کائنات کی طرف نہیں۔ اب محفوظ عن الخطا کا مفہوم شاید بے معنیٰ ہو گیا ہے کہ اس سے سیدہ کائنات کی حرمت عظمت اور شوکت کا پورا پورا اظہار نہیں ہو پاتا۔ کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ جلالی صاحب کے جوش انتقام میں انبیا اور غیر انبیا کا امتیاز ہی ختم کر دیا گیا، پھر بتایا جائے کہ رافضیت اور کیا ہے؟ اس صورت حال میں کیا کوئی یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ اب بعض خانقاہوں میں دبے پاؤں رافضیت داخل ہو چکی ہے اور جماعت اہل سنت کی ترجمانی کرنے والے علامہ جلالی کے مخالف علما نے خانقاہوں سے اپنے روابط کو جماعتی موقف پر ترجیح دی ہے، جو ان کی زندگی بھر کی جد وجہد سے متصادم ہے کیوں کہ خود انہوں نے بھی زندگی بھر

جماعت اہل سنت ہی کی خدمت کی ہے اور مخالفین کا رد بلیغ فرمایا ہے۔

ان تمام قضیے اور سانحات کو دیکھ کر چند سوالات ہر انصاف پسند افراد کے ذہن میں چبھ رہے ہوں گے، جن کا اظہار یہاں ضروری ہے، یہ سوالات اس لئے اہم ہیں کہ ان سے نفس مسئلہ کی حقیقت وابستہ ہے:

(۱) علامہ آصف جلالی صاحب نے شان صدیق اکبر میں گستاخی کرنے والی جس ملعونہ کے جواب میں خطاب کیا ،اس ملعونہ کے خلاف دیگر سنی علما نے ایکشن کیوں نہیں لیا، کیا اس کی گستاخی قابل معافی تھی اور علامہ جلالی کی گردن زدنی؟

(۲) علامہ جلالی کا سیدہ کائنات کی طرف باغ فدک کے معاملہ میں مطلقا خطا کا انتساب قابل گرفت تھا تو خود قائل کی توضیح کہ اس سے مراد ’’خطائے اجتہادی ہے‘‘ قابل قبول کیوں نہیں؟ اس وضاحت کے بعد بھی مطلق خطا والی بات پر مصر رہنا شریعت کے کس قاعدے کا تقاضا ہے؟

(۳) کیا سیدہ کائنات کی طرف خطائے اجتہادی کا انتساب بھی جرم وگناہ ہے؟

(۴) کیا ایسا ہے کہ انبیائے کرام کی طرف خطائے اجتہادی کا انتساب درست ہے اور سیدہ کائنات کی طرف گناہ؟

(۵) جماعت اہل سنت کی ہزار سالہ تاریخ میں جن شخصیات نے غیر انبیا کو معصوم نہیں محفوظ سمجھا اور سیدہ کائنات کی طرف خطائے اجتہادی کے انتساب کو درست مانا کیا وہ مجرم ہیں؟

(۶) حضرت پیر مہر علی شاہ کی کتاب ’’تصفیہ بین السنی والشیعہ‘‘ کی وہ عبارت جس کی تصریح پر علامہ جلالی کو مجرم ٹھہرایا جارہا ہے اس کی صحیح توضیح وتشریح آخر کیا ہے؟ اگر حقیقۃً متن وشرح دونوں کا مفہوم ایک ہے تو پھر حکم میں تضاد کیوں؟

(۷) کسی شخص کا یہ عقیدہ پیش کرنا کہ حضرت فاطمہ الزہرا انبیا سے بھی افضل ہیں، کیسا ہے؟ کیا عقیدہ اہل سنت یہی ہے؟ اگر نہیں تو اس کے خلاف کوئی ایکشن کیوں نہیں لیا گیا؟ کیا اس خموشی کو بنیاد بنا کر کوئی نیا مسئلہ کھڑا نہیں کر سکتا؟

(۸) علامہ جلالی کے خلاف منعقدہ ایک مجلس میں سیدہ کائنات کو ’’معصومہ‘‘ کہا گیا، سنی علما مشائخ سنتے رہے، کسی نے اس کے خلاف کوئی تردیدی بیان نہیں دیا، نہ اس سے محاسبہ کیا، کیا اس سے یہ سمجھا جائے کہ مجلس میں شریک سارے خاموش علما ومشائخ اسی عقیدہ کے حامل ہیں؟ اگر ایسا نہیں تو پھر وہاں سکوت سے کام کیوں لیا گیا؟

(۹) جن علما ومشائخ نے علامہ جلالی صاحب کو، جماعت اہل سنت سے خارج کیا، اس کی بنیاد کیا ہے، اور جسے وہ بنیاد بنارہے ہیں اہل سنت وجماعت کی پوری تاریخ میں اسے کس نے بنیاد بنا کر کس کو جماعت سے خارج کیا ہے واضح کیا جائے۔

(۱۰) نفس مسئلہ کا ایسا کون سا پہلو ہے جس کی بنیاد پر ایک منافق کے لئے نازل ہونے والی آیت کا انطباق علامہ جلالی پر کیا گیا؟ کیا ہمارے سنی علما اس سے اتفاق رکھتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اس پر خموشی کیوں؟

ذرا سوچیں! ایک علمی اختلاف کو آج یہاں تک پہنچا دیا گیا کہ اہل سنت کے متفقہ مسئلہ پر رافضیت غالب آگئی، اور علامہ جلالی کو جیل کی سلاخوں میں ڈال دیا گیا۔ کیا اب بھی آنکھیں نہیں کھلیں کہ ان کا ایک نہیں چھ مخالف وکیل شیعہ ہے اور علامہ جلالی کا وکیل سنی۔ کیا اب بھی سمجھ میں نہیں آیا کہ علامہ جلالی کا خطاب شیعہ کے رد میں تھا اور آج عدالت میں شیعہ ہی ان کا مخالف ہے۔ کیا اب بھی آنکھوں کی پٹیاں نہیں ہٹیں کہ اب عدالت میں معاملہ شیعہ سنی کا ہے، اہل سنت کے داخلی اختلاف کا نہیں۔

علمائے کرام سبق دیتے آئے ہیں کہ آپس کا انتشار ہی دشمن کے غلبہ کا باعث بنتا ہے جو آج دیکھنے میں آرہا ہے۔ یاد رکھئے! آج اگر علامہ جلالی شیعوں کے لئے خارراہ ہیں تو آپ ان کے دامن کے پھول نہیں کہ وہ آپ سے پیار کریں گے، وہ منتشر کر کے اسی طرح آپ کی صفیں خالی کرتے رہیں گے۔ پھر کوئی جماعت کی پرزور وکالت کرنے والا باقی نہیں رہے گا۔ خدا وہ دن نہ لائے، اس لئے:

خدارا! یاد کریں آپ اپنی خدمات، اپنا مقام و مرتبہ، اپنی شان علمی اور نیابت رسول کا اعزاز، پھر سوچیں کہ آپ کے غیر مدبرانہ فیصلہ نے جماعت اہل سنت کو کس مقام پر لا کھڑا کیا ہے، کہ آپ کا ایک جرنیل آپ کے مشترکہ دشمن کے آگے تنہا سینہ سپر ہے، اب بات محض ایک مسئلہ خطا کی نہیں بلکہ وہ سارے اختلافاتی مسائل ان کی قتل کا مدعا بنائے جارہے ہیں جن کی آپ بھی کبھی علمی وکالت کرتے رہے ہیں۔ بالفرض آپ اگر اس کے لئے اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر پاتے اور ان کا سہارا نہیں بن سکتے تو کم از کم دشمن کی تقویت کا سامان بھی مت بنئے کہ اہل سنت کے جاں باز مجاہد کا حوصلہ ٹوٹ جائے۔

ہمیں اعتراف ہے کہ آپ ہمارے بڑے ہیں، آپ کو پڑھ کر ہمیں پڑھنے کا شعور آیا ہے اور آپ کی خدمات کو دیکھ کر ہمارے اندر بھی مسلکی خدمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، آپ ہی اگر رنجش احباب اور معاصرانہ چشمک کے اسیر ہو جائیں گے تو آپ کو پڑھنے اور دیکھنے والے کیا تاثر لیں گے۔ اللہ آپ کی عمر لمبی کرے جتنی جلد ممکن ہو حالات پہ قابو پائیں اور اپنی آج کی جدوجہد کا رشتہ اپنے شاندار ماضی سے استوار کریں کہ آپ کا اتحاد جماعت کی فتح مندی کی روشن تاریخ ہے۔



الرضا کا یہ شمارہ!

کرونا وائرس کے سبب پوری دنیا لاک ڈاون کی زد میں ہے۔ نظام زندگی متاثر بلکہ معطل ہے ہمارا ملک عزیز بھی اس کی لپیٹ میں ہے جس کے سبب طباعتی کام تعطل کا شکار ہے اسی وجہ سے الرضا کے کئی شمارے منظر عام پہ نہیں آئے، مگر باغ فدک کے مسئلہ کو لے کر ایسا ماحول بنا دیا گیا کہ سنیت کی حفاظت اور صحیح موقف کی وضاحت کے لیے آن لائن الرضا لانے کا فیصلہ الرضا کی ٹیم نے لیا۔ یہ فیصلہ بروقت ہوا اس لیے خاطر خواہ مضامین اس حوالہ سے نہیں آپائے۔ ان شاء اللہ اگلا شمارہ اس حوالہ سے بھرپور ہوگا۔

بعض مضامین رسالہ نور الحبیب سے ماخوذ ہیں، یہ دراصل الرضا اور نور الحبیب کے مضامین کے تبادلہ کے تحت ہے اس طرح مضامین وسیع حلقہ تک پہنچانے کی راہ کھلے گی۔ ادراہ الرضا اس رضامندی کے لیے ذمہ داران رسالہ نور الحبیب کا شکر گزار ہے۔

قارئین الرضا کا یہ شمارہ ملاحظہ فرمائیں۔ اور اپنے تاثرت ومشورے سے نوازیں۔



باغ فدک کے مسئلہ پر اظہار خیالات

قارئین! مداحانہ نہیں، اپنے ناقدانہ وحقیقت پسندانہ تاثرات بھیجیں، یہ ہمیں رسالہ کو خوب سے خوب تر بنانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

مولانا اشرف آصف جلالی کو رہا کیا جائے

پروفیسر فاروق احمد صدیقی
سابق صدر شعبہ اردو، بہار یونیورسیٹی، مظفر پور، بہار، انڈیا

مولانا اشرف آصف جلالی ایک جید عالم دین ہیں جن کا حب رسول اور حب اہل بیت دوپہر کے سورج کی طرح درخشاں اور تابناک ہے۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے خاتون جنت حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں گستاخی کی ہوگی۔ مخالفین اور معاندین نے ان کے خلاف اپنے کسی ذاتی معاملہ کو بنیاد بنا کر محاذ آرائی کی ہے۔ اس لیے حکومت پاکستان سے میری گزارش ہے کہ مولانا محترم کو ناکردہ گناہوں کی سزا نہیں دی جائے اور انہیں جلد باعزت طور پر رہا کیا جائے۔

ایک عالم کی موت اگر ایک عالم کی موت ہوتی ہے تو ایک عالم کی تذلیل بھی ایک عالم کی تذلیل ہے۔ اس لیے حکومت پاکستان اپنی مذہبی اور اخلاقی ذمے داری محسوس کرتے ہوئے انہیں جیل سے آزاد کرے۔

□□□

علامہ جلالی اپنوں کی ریشہ روانیوں کا شکار ہوئے

مولانا محمد قمر الزماں مصباحی مظفر پوری
مدرسہ دینیہ غوثیہ، امام گنج، مظفر پور، بہار، الہند

حضرت علامہ ڈاکٹر آصف جلالی صاحب قبلہ کی شخصیت عالمی سطح پر بہت نمایاں ہے آپ جماعت اہل سنت کے ممتاز عالم دین، بالغ نظر فقیہ، شریں بیاں خطیب، عمدہ ادیب، مخلص قائد اور مسلک رضا کے شارح وترجمان ہیں۔ آپ کی پوری تقریر علمی نکات، قرآنی آیات، احادیثی کلمات اور فنی بصیرتوں سے آراستہ ہوتی ہے۔ تحریر میں بھی نہایت معقولیت، معنویت، فکری ارتقا اور خیال کا ترفع ہوتا ہے۔ ابھی کچھ ماہ قبل ڈاکٹر صاحب قبلہ نے باغ فدک پر گفتگو کرتے ہوئے جگر گوشہ رسول، سیدہ کائنات حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے حوالے سے فرمایا کہ سیدہ خطا "خطا اجتہادی" پر تھیں اس لفظ پر مخالفین نے آسمان سر پر اٹھالیا اور آپ کی علمی جلالت کو مجروح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس سے بھی جی نہ بھرا تو ان کے خلاف مقدمہ درج کرا کے انہیں جیل رسید کردیا مگر افسوس اس بات پر ہے کہ اس قضیہ میں اہل سنت وجماعت کے کچھ علماء بھی انہیں گمراہ نظریات کی حمایت کر رہے ہیں جو سراسر موقف اہل سنت کے خلاف ہے اہل سنت وجماعت کے نزدیک جماعت انبیاء وملائکہ علیہم السلام کے علاوہ کوئی معصوم نہیں یہ اور بات ہے کہ اللہ پاک نے اپنے بہت سے محبوبوں کو خطا سے پاک رکھا ہے تو یہ اس کے کرم وعنایات کی بات ہے۔ سرکار امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ سے لے کر اب تک سارے علمائے اہل سنت کا یہی عقیدہ متوارثہ ہے مگر برا ہو مسلکی عصبیت کا کہ علامہ جلالی کی علمی شہرت، فکری طنطنہ اور لسانی طمطراق مخالفین کو برداشت نہیں ہوئی اور حیرت کی بات یہ کہ ہمارے کچھ سنی علماء بھی گمراہ نظریات کے حامل افراد کے ساتھ مل کر اس مسئلہ کو ہوا دینے لگے جس کے نتیجے میں ڈاکٹر آصف جلالی صاحب قبلہ کو جیل جانا پڑا مگر وہ مرد حق آگاہ اور علی کا شیر آج بھی اپنے موقف پر قائم ہے جنہیں نہ موت کا خوف، نہ جیل کی سلاخوں کا ڈر، اور نہ کسی کی لعن طعن کی پرواہ بلکہ ایسے پر خطر ماحول میں بھی حسن عقیدہ کا چراغ جلائے ہوئے اپنے کردار وعمل اور پاکیزہ فکر ونظر سے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ اور حضرت امام حنبل رضی اللہ عنہما کی یاد تازہ فرما رہے ہیں جو بلاشبہ یہ

ان کے تصلب فی الدین، علمی گیرائی و گہرائی، فکری بلندی اور عقیدہ راسخہ کی واضح دلیل ہے۔ خدا انہیں سلامت با کرامت رکھے تاکہ حق گوئی کی فضا کو تازگی ملتی رہے اور مسلک کا تقدس قائم رہے۔ میں جلالی صاحب قبلہ کے اس نظریے کی بھرپور تائید کرتے ہوئے حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہوں کہ انہیں جلد از جلد رہا کرے اور جب یہ بات خالص علمی ہے تو علمی میز پر بیٹھ کر بحث و مباحثہ کی راہ ہموار کی جائے تاکہ لوگوں کے درمیان حق پوری طرح واضح ہو جائے

□□□

یہ فتنہ انگیزی نہیں فتنے کی سرکوبی تھی !!

مولانا محمد حیدر رضا مصباحی

خطائے اجتہادی کے قول کو گستاخی قرار دینا سراسر ظلم و زیادتی ہے کہ اس پر تو خود ایک اجر ملتا ہے، اس لیے اس پر طوفان مچانا بالکل بھی دانش مندی نہیں ہے، یاد رہے شریعت کا اپنا مزاج ہے، وہ ہمارے یا کسی اور صاحب کے جذبات اور احساسات (خواہ کتنے ہی صادق کیوں نہ ہوں) کے تابع نہیں۔

یقین مانیں! کچھ روشن خیالوں کی تحریریں دیکھ کر مجھے حد درجہ افسوس ہوا۔ یہ لوگ تصویر کے اس رخ (اور یہی اس پورے معاملے کا اصلی محرک ہے) کو نظر انداز کر جلالی صاحب پر بلا وجہ فرقہ پرستی کے الزامات داغے چلے جا رہے ہیں اور اس بات پر تعجب بھی کہ پاکستان جو اپنے آپ کو اسلامی (سنی) ریاست کہتا ہے، وہاں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کھلی گستاخی کرنے والا تو آزاد دندناتے پھر رہا اور جس نے ناموس صدیق کی پہرے داری میں ایک بات کہی جو مقام بتول کے غیر مناسب ضرور تھی، گستاخی یا توہین ہرگز نہیں؛ اسے گرفتار کر جیل بھیج دیا گیا۔

میرے نزدیک اس معاملے کی اہمیت اس لیے بہت زیادہ ہے کہ پچھلے کئی برسوں سے سنیوں میں رافضی/تفضیلی نظریات عام کرنے کی شعوری یا لاشعوری طور پر کوششیں چل رہی ہیں۔ چاہیے وہ حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی آڑ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیصِ شان کا معاملہ ہو؛ حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دفاع کے پس پردہ موجودہ طوفان یا پھر یوم غدیر خم منانے اور اس کی مبارک باد دینے کا معاملہ۔۔۔

اگر جلالی کیس کا یہ پس منظر نہیں ہوتا تو ہم ضرور ان کے مذکورہ بیان کی مذمت کرتے کہ یہ بلا وجہ مشاجرات صحابہ کو چھیڑنے کی سعی ہوتی، چوں کہ معاملہ دفاع صدیق اور اظہار صواب کا ہے، اس لیے ہم اس مسئلے میں ان کے ساتھ ہیں اور ویسے بھی راقم ذاتی طور پر فرقہ وارانہ اختلافات بھڑکانے کو پسند نہیں کرتا، جن حالات سے ہندی مسلمان آج دو چار ہیں، ان میں تو بالکل بھی نہیں، مگر جیسا کہ عرض کیا گیا یہ فتنہ انگیزی نہیں تھی، بلکہ ایک فتنے کی سرکوبی کے لیے اہل سنت کے متفقہ مسئلے کا بیان تھا (ہاں! تعبیر میں ابتداء چوک ضرور ہوئی، توجہ دلانے کے بعد جس کی اصلاح خود صاحب معاملہ نے کر دی) اور اگر اسے بھی فتنہ، فرقہ پرستی کا نام دے دیا گیا تو پھر حق کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کا کوئی مطلب نہیں رہ جائے گا۔ قتلِ ناحق بہت بڑا گناہ ہے، مگر قصاص میں قتل کو قرآن پاک نے عقل والوں کے لیے حیات سے تعبیر کیا ہے (یہ کوئی تشبیہ و تمثیل نہیں ہے، بس تقریب فہم کے لیے ایک بات عرض کر دی)

اور اگر یہ پر آشوب حالات ہمیں دفاع ناموس صدیق سے روک رہے ہوں تو پھر اس زندگی اور دنیاوی حصول یابیوں کا کیا کرنا جہاں بہتوں کا عقیدہ ہی خطرے میں پڑ جائے۔

□□□

اظہار تعزیت بروفات مفتی محمد عابد جلالی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی

خطیب و امام مسجد محبوب سبحانی، و صدر المدرسین دار العلوم محبوب سبحانی کرلا ممبئی انڈیا
، و بانی و سرپرست: نور ایمان اسلامک آرگنائزیشن کرلا ممبئی انڈیا

کنز العلما، اکمل الفضلا، مفکر اسلام حضرت علامہ و مولانا ڈاکٹر اشرف آصف جلالی صاحب دامت برکاتہم العالیہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوشل میڈیا کے ذریعہ یہ افسوس ناک خبر موصول ہوئی کہ آپ کے برادر اصغر، مناظر اسلام، شیر اہل سنت حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عابد صاحب جلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، قلب نازک کو جھنجھوڑ دینے والے پیہم صدموں کی تاب نہ لا کر قضائے الٰہی سے

انتقال فرماگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

راقم آپ کی اور جملہ پسماندگان کی بارگاہ میں "تعزیت" پیش کرتا اور اپنے شدید رنج وغم اور صدمے کا اظہار کرتا ہے۔

آپ علیہ الرحمہ کا اچانک ہمارے درمیان سے چلا جانا یقینا اہل سنت و جماعت کا ایسا عظیم خسارہ ہے جس کی تلافی بہت مشکل سے ہو سکے گی۔ دعا گو ہوں کہ اللہ عزوجل قبلہ مرحوم کو حضرت خاتون جنت سیدہ کائنات سیدتنا فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے صدقے و طفیل غریق رحمت فرمائے اور جملہ اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

دوسری بات یہ کہ:

حالیہ متنازعہ فیہ مسئلہ میں ناچیز آپ کے موقف کی مکمل تائید کرتے ہوئے آپ کی استقامت و عزیمت کو سلام پیش کرتا ہے۔

راقم آپ کے بیانات و خطابات سے ایک زمانے سے مستفید و مستنیر ہو رہا ہے۔ ایوان رافضیت ہو یا ایوان وہابیت، ایوان ناصبیت ہو یا نیم رافضیت، آپ کے مجاہدانہ کارناموں سے آج ہر ایوان باطل لرزہ براندام ہے۔

آپ نے اگر ایک طرف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین پر بھونکنے والے جہنمی کتوں کو منہ توڑ جواب دیا ہے تو دوسری طرف اہل بیت کرام علی جدہم وعلیہم الصلوۃ والتسلیم کی شان اقدس کو گھٹانے کی ناپاک کوشش کرنے والوں کو ناقابل تردید دلائل و براہین سے ان کے انجام تک پہنچایا ہے۔

آپ اپنے موقف کو یعنی منہج اہل سنت کو نہایت مضبوط دلائل سے بیان فرماتے ہیں۔ مد مقابل کو کبھی بھی گالی گلوج سے نہیں نوازتے۔ جب کہ مخالفین جواب سے عاجز آکر بدتمیزی اور سب وشتم پر اتر آتے ہیں۔

یہ آپ کی حقانیت وصداقت کی ایک پختہ دلیل ہے۔ آج اہل سنت کی حسین وادی میں بدبودار جانور گھس آئے ہیں، آپ چن چن کر ان کا شکار کر رہے ہیں؛ تاکہ اہل سنت کی خوب صورت وادی تعفن کا شکار نہ ہو۔ آج اہل سنت کے بارونق باغ میں خبیث فطرت رکھنے والے گدھ آکر ماحول کو خراب کرنا چاہتے ہیں۔ آپ عقاب بن کر ان پر جھپٹ رہے ہیں اور اپنے آہنی پنجوں سے ان کے سینے زخمی کر رہے ہیں؛ تاکہ ان کی سانسیں رک جائیں اور اہل سنت کے لہلہاتے باغ کا پرسکون ماحول خراب نہ ہو۔

اللہ عزوجل آپ کا سایہ دراز فرمائے اور آپ کی رہائی کے اسباب مہیا فرمائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

□□□

تعزیت بروفات حضرت مفتی عابد صاحب جلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ادارہ الرضا علامہ جلالی کے اہل خانہ کے غم میں برابر کا شریک ہے!

قبلہ علامہ آصف اشرف جلالی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوشل میڈیا کے ذریعہ یہ افسوس ناک اطلاع موصول ہوئی کہ آپ کے برادر مکرم حضرت علامہ مفتی محمد عابد صاحب جلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حالیہ بحران اور پے در پے صدمات سے جانبر نہ ہو سکے اور قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔ اللہ سبحانہ ان کے درجات بلند فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل اور اس پر اجر عظیم عطا فرمائے۔

ساتھ ہی یہ بھی خبر موصول ہوئی کہ آپ کے والد گرامی بھی اپنوں، بیگانوں کی فسوں کاری اور دشنام طرازی سے صدمے میں ہیں اور سخت علیل ہیں، ادارہ الرضا ان کے جلد صحت یابی کی دعا کرتا ہے کہ رب قدیر انہیں جلد شفائے کلی عطا فرمائے اور ان کا سایہ تادیر ہم سب پر قائم رہے۔

آپ جملہ اہل خانہ کے اس مشکل گھڑی میں اپنی تمام تر نیک تمناؤں اور دعاؤں کے ساتھ نیز آپ کے دین مصطفےٰ ﷺ علیہ وسلم کی حفاظت وصیانت کی تمام مساعی جمیلہ میں ہم آپ کے ساتھ کھڑے ہیں۔ رب قدیر آپ کو صبر و رضا کا پیکر بنائے اور ان مشکل ترین اوقات میں ثابت قدم رکھے۔ آمین

(مدیر)

□□□

باغ فدک کے حوالہ سے
پیدا شدہ بحران پر تحقیقی فتویٰ

مفتی نذیر احمد سیالوی

اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہمارے سروں کا تاج ہیں ان کی و دیگر تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عظمت وشان اور عقائد اہل سنت کا تحفظ ہمارا فریضہ ہے۔

بحمد اللہ تعالیٰ عقائد اہل سنت افراط وتفریط کی بدعات سے پاک اور منزہ ہیں۔ اس لیے کہ اہل سنت کا نصب العین اتباع شریعت مطہرہ ہے نہ کہ خواہش نفس کی پیروی اور یہی اہل سنت کا طرۂ امتیاز ہے اور عوام اہل سنت کو اعمال کے ساتھ عقائد اہل سنت کی تعلیم دینا بھی علماء کرام کے فرائض سے ہے تاکہ وہ گمراہی اور بدعقیدگی سے دور رہیں، اب جبکہ بدعقیدگی اور گمراہی کی تبلیغ عام ہو رہی ہے تو عند اللہ تعالیٰ براءت ذمہ کے لیے مذکورہ بالا مسئلہ کی شرعی حیثیت اور عقیدۂ اہل سنت کا بیان لازم اور ضروری سمجھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل سنت و جماعت کے نزدیک حضرات اہل بیت اطہار و غیر اہل سبت تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے محبت، حسنِ عقیدت اور ان کی تعظیم اور ان کا ذکر خیر کے ساتھ ہونا ضروری ہے اور حضرات اہل بیت اطہار کے ساتھ بوجہ قرابتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی محبت اور احترام چاہیے لیکن تعظیم وتکریم میں شرعی حدود ملحوظ رکھنا لازم اور ضروری ہے، شریعت مطہرہ کا احترام نہ کیا جانا ہی گمراہی اور بدعقیدگی عام ہونے کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔ آج بھی اگر یہ لوگ شریعت کا احترام کریں تو ان کے تمام مغالطے دور ہو جائیں گے۔

لیکن المیہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں سے اختلاط کی وجہ سے یہ مصیبت ادھر بھی آ گئی ہے، بہت سارے لوگ اپنے ذوق ہی کو حرف آخر سمجھ رہے ہیں۔

گزارش ہے کہ شریعت مطہرہ ہی نے رعایت مراتب کی تعلیم دی ہے اس لیے سنیت میں رفض وخروج اور ناصبیت میں سے کسی کی گنجائش نہیں ہے۔ سنی مزاج میں شریعت مطہرہ کی پاسبانی کرنا ہوگی اور کسی کی ذوقی سنیت ہرگز قبول نہیں کی جائے گی بلکہ تحقیقی سنیت مانی جائیگی۔ بفضل اللہ تعالیٰ مذہب حق، مذہب مہذب، مذہب اہل سنت و جماعت مدون ہے، کوئی صدری نسخہ نہیں ہے۔ مذہب اہل سنت کی پابندی اور اس سے وفاداری سب پر لازم اور ضروری ہے۔ شریعت مطہرہ کے آگے سر تسلیم خم کرنا سب پر فرض ہے۔ مسئلہ عصمت میں مذہب اہل سنت و جماعت یہ ہے کہ انسانوں میں معصوم صرف حضرات انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ جبکہ شیعہ اور روافض حضرات اہل بیت کرام علیہم الرضوان کو بھی معصوم مانتے ہیں اور ان کی عصمت حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عصمت سے بھی اعلیٰ مانتے ہیں۔ اصول فقہ کی شہرۂ آفاق کتاب "مسلم الثبوت" کی شرح فواتح الرحموت میں بحر العلوم حضرت علامہ عبد العلی قدس سرہٗ العزیز نے فرمایا:

وایضا قد تطلق علی عدم صدور ذنب لا عمدا ولا سهوا ولا خطا ومع ذلك عدم الوقوع فی خطا اجتهادی فی حکم شرعی وهذا هو محل الخلاف بیننا وبینهم فهم قالوا: اهل البیت معصومون عن ذلك کله من انواع الذنوب وانواع الخطا. یدعون ان

فتواهم كقول الانبياء فى وجوب الاتباع و كونه من الله تعالىٰ (الى ان قال) وعندنا العصمة بهذا الوجه مختصة بالانبياء فيما يخبرون بالوحي وما يستقرون عليه واهل البيت كسائر المجتهدين يجوز عليهم الخطأ فى اجتهادهم وهم يصيبون ويخطئون و كذا يجوز عليهم الزلة وهي وقوعهم فى امر غير مناسب لمرتبتهم من غير تعمد (الى ان قال) لنا ماتواترعن الصحابة والتابعين من انهم كانوا المجتهدين ويفتون خلاف ما افتى به اهل البيت ولم ينكرو لم يعب احد على احد بل لم يخطئى احد من مخالفة اهل البيت فى الحكم ولم يقل احد بفساد اجتهاد من قال بخلافه. وهذا يفيد علما ضروريا بان كل واحد من الأئمة بل المقلدين أياهم أيضا من الصحابة ومن بعدهم كانوا عالمين بعدم العصمة عن الخطأ الاجتهادي ويفيد أيضا علما ضروريا بأن أهل البيت أيضا كانوا عالمين بعدم عصمة أنفسهم من هذا الخطأ الاجتهادي ألم تر كيف رد ابن مسعود قول أمير المؤ منين على فى عدة الحامل المتوفى عنها زوجها (الى ان قال) فقد بان لك أن الإجماع القطعي الداخل فيه اهل البيت حا كم بان لا عصمة فى اهل البيت بمعنى عدم جواز الخطأ الاجتهادي منهم فاحفظه . ولنا أيضا قوله تعالى: فأن تنازعتم فى شيء فردوه الى الله والرسول النساء :۵۹] وأهل البيت أيضا داخلون فى الخطاب ففرض عليهم حين التنازع أزاحته بالرد على الكتاب والسنة . ولم يعب على منازع أهل البيت فى الاحكام بشيء وأيضا لم يقل وأهل بيته . فافهم
(فواتح الرحموت ۲/۲۶۸_۲۷۰)

حاصل عبارت یہ ہے کہ عصمت کا اطلاق کبھی گناہ کے عدم صدور پر کیا جاتا ہے کہ نہ عمداً صدور ہو اور نہ سہواً اور نہ خطاء، اور اس کے ساتھ (مزید یہ کہ) حکم شرعی میں اجتہادی خطا میں واقع نہ ہونا۔

یہ محل خلاف ہے ہمارے اور شیعہ وروافض کے درمیان۔ انہوں (شیعہ) نے کہا ہے کہ اہل بیت گناہوں کی تمام انواع اور خطا کی تمام انواع سے معصوم ہیں اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اہل بیت کا فتویٰ (اس کی) اتباع واجب ہونے اور اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے میں، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قول کی مثل ہے۔ (تا) اور ہمارے نزدیک اس معنی میں عصمت حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قول کی مثل ہے۔ (تا) اور ہمارے نزدیک اس معنی میں عصمت حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مختص ہے اور اس میں جو وحی الٰہی کے ساتھ خبر دیتے ہیں اور اجتہادی امور میں جس پر ثابت اور برقرار رہتے ہیں۔ اور اہل بیت باقی مجتہدین کی مثل ہیں، ان کے اجتہاد میں ان پر خطا جائز ہے۔

اہل بیت مصیب بھی ہوتے ہیں اور مخطی بھی ہوتے ہیں، اسی طرح ان سے زلت کا صدور بھی جائز ہے۔ زلت کا مطلب ہے بغیر قصد اور ارادہ کے کسی ایسے امر میں واقع ہو جانا جو ان کے مرتبہ اور مقام کے مناسب نہ ہو (تا) ہماری دلیل: جو متواتر ہے صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کہ بیشک وہ مجتہد تھے اور (بعض مسائل میں) اہل بیت کے فتویٰ کے خلاف (بھی) فتویٰ دیتے تھے اور کسی ایک نے کسی پر بھی نہ انکار کیا اور نہ عیب لگایا بلکہ حکم شرعی میں (اجتہاد میں) اہل بیت کی مخالفت کرنے سے کوئی شخص مخطی نہیں ہوجاتا اور نہ کسی نے اس مجتہد کے اجتہاد کے فساد کا قول کیا جس نے اہل بیت کے موقف کے خلاف قول کیا ہو۔ اور یہ اس امر کے علم ضروری کا فائدہ دیتا ہے کہ اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ حضرات صحابہ کرام ومن بعدہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) میں سے تمام ائمہ کرام بلکہ ان کے مقلدین بھی اہل بیت کا خطاء اجتہادی سے معصوم نہ ہونا جانتے تھے۔ اور یہ اس امر کے علم ضروری کا بھی افادہ کرتا ہے کہ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ حضرات اہل بیت کرام علیہم الرضوان خود بھی جانتے تھے کہ وہ اجتہادی خطا سے معصوم نہیں ہیں۔

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول کیسے رد کر دیا، اس حاملہ خاتون کی عدت کے بارے میں جس کا خاوند فوت ہو جائے (تا) پس ضرور ظاہر ہو گیا تیرے لیے کہ بیشک اجماع قطعی، جس میں

اہل بیت بھی داخل ہیں، حکم لگا تا ہے کہ بیشک اہل بیت میں عصمت بمعنی عدم جواز خطاء اجتہادی نہیں ہے۔پس اس تحقیق کو محفوظ کرلے۔

اور ہماری دلیل قرآن کریم سے بھی ہے قول باری تعالیٰ:

''فان تنازعتم فی شیء فردوه الی الله والرسول'' پھر اگر تم کسی شئ کے بارے میں باہمی نزاع کروتو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو (یعنی قرآن وحدیث پر پیش کرو) اور اہل بیت بھی اس خطاب میں داخل ہیں تنازع کے وقت ان پر بھی فرض کیا ہے اس کا ازالہ اور اسے دور کرنا کتاب وسنت پر پیش کرنے کے ساتھ اور احکام میں اہل بیت کے ساتھ منازعہ کرنے والے پر عیب نہیں لگایا نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی نہیں فرمایا: فردوه الی الله والرسول واهل بیته ۔ کہ اس نزاعی امر کو اللہ اور رسول اور رسول کے اہل بیت کیطرف ردکرو۔

مختصر تبصرہ:

فواتح الرحموت کے مصنف بحر العلوم حضرت علامہ عبد العلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ عظیم ہستی ہیں جنہیں بڑے بڑے اکابر بھی بحر العلوم ہی مانتے ہیں یعنی علوم کا سمندر۔ امام اہل سنت حضرت مولانا احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز بھی بحر العلوم کہہ کر ان کی تحقیقات پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ کریں''فتاویٰ رضویہ''تو حضرت بحر العلوم نے یہ مسئلہ اس قدر وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ کوئی ابہام اور شبہ باقی رہتا ہی نہیں۔''

اور انہوں نے تمام اہل بیت کے بارے میں حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لیکر تمام ائمہ اہل سنت اور ان کے مقلدین کا موقف اور نظریہ وعقیدہ بیان فرمایا ہے کہ حضرات اہل بیت کرام علیہم الرضوان بھی باقی مجتہدین کی طرح ہی ہیں وہ مسائل شرعیہ میں مصیب بھی ہوتے اور مخطی بھی ہوتے ہیں۔ان کے اجتہاد میں ان پر خطا جائز ہے''یجوز علیهم الخطاء فی اجتهادهم ''بغور ملاحظہ کرلیں۔یعنی جائز ہے کہ وہ اپنے اجتہاد میں خطا پر ہوں حضرات صحابہ کرام اور باقی تمام ائمہ اور ان کے مقلدین جانتے تھے کہ اجتہادی خطا سے اہل بیت معصوم نہیں ہیں۔

"هذا یفید علما ضروریا بان کل واحد من الائمة بل المقلدین ایاهم ایضا من الصحابة ومن بعدهم کانوا عالمین بعدم العصمة عن الخطا الاجتهادی"

بغور ملاحظہ کرلیں۔یہاں علم ضروری، علم استدلالی کا مقابل ہے۔

"یفید ایضا علما ضروریا بان اهل البیت" الخ

خود اہل بیت کرام علیہم الرضوان کو اس بات کا علم ہے کہ ہم اجتہادی خطا سے معصوم نہیں ہیں۔

حضرات چارتن پاک علیہم الرضوان میں سے سب سے زیادہ علم والے تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں مسائل شرعیہ میں ان کے بعض اقوال کو حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان نے رد کیا ہے۔

الم تر کیف رد ابن مسعود قول امیر المؤمنین علی فی عدة الحامل الخ۔

کتب حدیث میں یہ حقیقت ثابتہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسئلہ مذکورہ میں حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابعد الاجلین والے موقف کو صرف خطا ہی نہیں سمجھا بلکہ قطعی خطا جانا ہے اس لیے کہ آپ نے مباہلہ کی دعوت دی ہے۔''من شاء باهلته'' جو چاہے میں اس سے مباہلہ کرتا ہوں کہ سورۂ نساء قصرا، سورۂ بقرہ کی آیت''والذین یتوفون منکم" الایة۔کے بعد نازل ہوئی ہے۔

اور یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ مباہلہ تو اس صورت میں ہی کیا جاتا ہے جب دوسرے فریق کے موقف کو قطعی اور یقینی خطا سمجھا جائے۔اور دوسرے ائمہ کرام کی اکثریت نے بھی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر عمل کیا ہے۔

" فقد بان لك ان الاجماع القطعی الداخل فیه اهل البیت حاکم الخ۔

بغور ملاحظہ کرلیں، حضرت بحر العلوم رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اجماع قطعی، جس میں اہل بیت بھی داخل ہیں حاکم ہے کہ اہل بیت سے اجتہادی خطا جائز نہ ہونے کے معنی میں اہل بیت میں کوئی عصمت نہیں اور پھر اسے قرآن کریم سے بھی ثابت کیا۔وللہ الحمد۔

حضرت بحر العلوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیق سے وہ لوگ اپنی اصلاح کرلیں جو سراسر غلط دعویٰ کررہے ہیں کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف خطا کی نسبت آج تک کسی نے کی ہی نہیں۔جب تمام اہل بیت کرام علیہم الرضوان کے بارے میں حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لیکر اجماعی مذہب اور اجماعی

نظریہ وعقیدہ یہ ہے جو آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔

اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا موقف میراث نبوی کے بارے میں نص صریح کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کے خطا ہونے پر اجماع صحابہ کرام علیہم الرضوان ہے اور ایسے ہی بعد والی ساری امت میں شیعہ وروافض کے سوا تمام امت کا اس کے خطا ہونے پر اجماع ہے، تو پھر ایسے دعاوی کا کیا جواز ہے؟ ان حضرات نے قول نہ کرنے اور قائل نہ ہونے کا مطلب ایک ہی سمجھ رکھا ہے حالانکہ قائل نہ ہونے کا مطلب معتقد نہ ہونا ہے اور عدم قول عدم اعتقاد کو مستلزم نہیں ہے۔ سقیفۂ بنی ساعدہ میں حضرات انصار علیہم الرضوان نے ریاست مدینہ کا امیر انصار سے منتخب کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا جو حدیث متواتر ''ائمہ من قریش'' کے خلاف ہونے کی وجہ سے بلا شک وشبہ خطا تھا (شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ نے فتح الباری میں فرمایا: میں نے کوئی چالیس صحابہ کرام کی روایت سے اس حدیث کے طرق جمع کیے ہیں) اس فیصلہ کے خطا ہونے پر بشمول انصار تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع ہے، ایسے ہی بعد والی تمام امت کا بھی اجماع ہے۔ جب اس فیصلہ کرنے میں حضرات انصار علیہم الرضوان کے خطا پر ہونے پر اجماع امت ہے، تو اس کے باوجود کیا ائمہ کرام کی تصریحات کوئی فاضل پیش کر سکتا ہے کہ حضرات انصار علیہم الرضوان اس وقت خطا پر تھے؟

جب مسئلہ خلافت میں حدیث نبوی کے خلاف رائے اور موقف کا خطا ہونا یقینی ہے اور اس پر اجماع امت ہونا ثابت کرنے کے لیے کسی امام کی تصریح پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ مطالبۂ تصریح درست ہے تو اسی طرح مسئلہ میراث نبوی میں حدیث نبوی کے خلاف موقف کا خطا ہونا بھی یقینی ہے تو اس پر اجماع امت ہونا، ثابت کرنے کے لیے بھی کسی امام کی تصریح اور قول پیش کرنے کی نہ حاجت اور ضرورت اور نہ ہی مطالبہ درست ہے۔ کیونکہ علمائے حق میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہو سکتا جو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایسی صریح حدیث کے خلاف موقف کو خطا یقین نہ کرتا ہو جس حدیث کے معنی ومراد کے تعین پر بھی حضرات صحابہ کرام علیہم الروان کا اجماع ہو۔ وللہ الحمد فی الاولی والآخرۃ

نیز اہل علم پر مخفی نہیں ہے کہ ایک طرف سنیت کے لبادہ میں رافضیت گھس آئی ہے اور پوری طرح اپنے پنجے گاڑ چکی ہے، سنیت کے دعویٰ کے باوجود مذہب اہل سنت کے اجماعی عقائد کا انکار بھی کیے جا رہے ہیں کبھی حضرات شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت پر اجماع صحابہ کرام علیہم الرضوان ہونے کا انکار ہے۔ کبھی افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار ہے، کبھی ایمان ابی طالب نہ ماننے والے تمام اہل اسلام کو خارج از اسلام قرار دیا جا رہا ہے اور دوسری طرف ہمارے مخالف فرقہ نے اس طرح منہ کھولا ہے بالخصوص حضرات شیخین کریمین رضی اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں ایسی غلیظ زبان استعمال کی جا رہی ہے کہ بازاری زبان بولنے والے بھی سن کر کانوں میں انگلیاں ڈالیں اور حضرات اہل بیت کو مظلوم قرار دے کر سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے تو ایسے حالات میں حقیقت واقعیہ کی وضاحت کرنا علمائے اہل سنت کا فریضہ ہے اللہ تعالیٰ اس فریضہ کی ادائیگی سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہی امید رکھتے ہیں کہ بفضلہٖ تعالیٰ وہ محفوظ عن الخطاء ہیں لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ وہ گناہوں سے محفوظ ہیں نہ یہ کہ مسائل شرعیہ اور احکام شرعیہ کی تحقیق میں ان سے کوئی خطا نہیں ہو سکتی۔ خطا لفظ مشترک ہے اس کے متعدد معانی ہیں۔ ایک معنیٰ گناہ ہے اور دوسرا معنیٰ ضد صواب ونقیض صواب یعنی ناراست ہے (جو صواب اور درست نہیں)

احکام شرعیہ میں کسی فقیہ عالم کو غلطی لگ جانا گناہ اور معصیت کا ارتکاب کرنا نہیں ہے بلکہ وہ خطا بمعنیٰ ضد صواب ہے یعنی اس کا موقف صواب اور درست نہیں ہے۔ میراث نبوی کے مسئلہ میں انھیں غلطی لگ گئی تھی اس پر حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع ہے اور حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کے بعد بھی شیعہ وروافض کے سوا ساری امت کا اجماع ہے، محفوظ عن الخطاء ہونے سے میراث نبوی میں خطا واقع نہ ہونے پر استدلال تو خلط مبحث اور سنگین غلطی ہے یا بالارادہ دھاندلی اور دھوکا دہی ہے۔

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیہم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

نتیجہ کلام:

جب مسئلہ میراث نبوی میں حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے موقف اور اس پر مبنی مطالبۂ میراث کا خطا ہونا قطعی ہے کیونکہ نص صریح کے معنی مقصودی کے خلاف ہے اور اس کے خطا ہو نے پر حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اجماع ہے اور میراث نبوی نہ ہونے کے عقیدہ قطعیہ جو قطعیات اسلام اور ضروریات مذہب اہل سنت و جماعت سے ہے، پر ایمان کے لیے اسے قطعی اور یقینی خطا جاننا لازم اور ضروری ہے۔ اور اس کو خطا نہ ماننا حدیث نبوی: ''لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ'' اور اجماع صحابہ کرام بر عدم میراث خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطا قرار دینے کے مترادف ہے۔ جس کی سنگینی اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

تو ایک سنی عالم دین کے اسے خطا کہنے کو حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بہت بڑی جسارت اور بے ادبی قرار دے کر اس سے علانیہ رجوع اور توبہ لازم ہونے کا فتویٰ دینا، در حقیقت سنیت سے علانیہ رجوع اور توبہ کر کے رافضیت اختیار کرنے کا فتویٰ ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔

اس لیے ایسے تمام لوگوں پر توبہ فرض ہے جنہوں نے اس سنی فاضل سے رجوع اور توبہ کا تقاضا کیا یا لاتعلقی کا اعلان کیا یا انھیں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گستاخ اور بے ادب جانا۔

اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے میراث نبوی کے مسئلہ اور مطالبۂ میراث میں خطا پر ہونے کا اقرار و اعتراف بھی لازم اور ضروری ہے۔

اور جن لوگوں نے مقدمے درج کروائے یا اسمبلی میں قرارداد پیش کی یا اس کی حمایت اور تائید کی یا حکمرانوں کو خطوط لکھے سب پر توبہ لازم ہے اور ان قراردادوں اور مقدمات کا فوری خارج کیا جانا بھی لازم اور ضروری ہے۔

وطن عزیز کی سرزمین کسی حکمران کی جاگیر نہیں ہے کہ جیسے چاہے تصرف کرے۔ وہ تو اس کا محافظ ہے اور وہ خادم اسلام ہوتا ہے نہ کہ خادم کفر۔ اس لیے ضد نہ کی جائے شریعت مطہرہ کی حدود کا احترام کیا جائے۔ بلکہ خود اسمبلیوں کے اندر ہی بڑی بڑی گستاخیاں کی جارہی ہیں ان کے خلاف کوئی قرارداد پیش نہیں کی گئی۔

جبکہ اس سنی عالم دین نے صراحتاً تو درکنار اشارۃً اور کنایۃً بھی گستاخی کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ بیان کیا ہے۔

اگر وہ شیعہ اور روافض کے عقیدہ کے مطابق گستاخی بنتی ہے جو اہل بیت کرام کو حضرات انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بھی افضل جانتے ہیں جو کفر ہے تو انھیں اہل سنت کی مسلکی آزادی سلب کرنے کا حق کس نے دیا ہے؟

جو لوگ قرآن کریم کے اللہ تعالیٰ کی لاریب اور محفوظ کتاب ہونے پر ایمان نہیں رکھتے (ان کے اکابر اور ائمہ کا یہی عقیدہ ہے اور موجودہ لوگ ان کو اپنا امام مانتے ہیں) اور حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اور بالخصوص حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت سیدنا عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فحش گالیاں دے رہے ہیں وہ باادب ہوگئے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام حضرات اہل بیت وغیرہ اہل بیت علیہم الرضوان کی تعظیم و تکریم کرنے والے اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی غلامی کو سلطانی سے افضل جاننے والے بے ادب ہوگئے۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

اور جن لوگوں نے اس عالم دین کے الفاظ تبدیل کر کے وہ الفاظ لکھے جو گستاخی کا جملہ بنتا ہے ''خطا پر تھیں'' کو ''خطا کار تھیں'' بتا کر مقدمہ درج کروایا ایسے لوگ سزا کے مستحق ہیں۔

قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنا مسلک واضح بیان کرنا اور مخالفین کے جھوٹے الزامات کی اصل حقیقت بتانا علمائے اہل سنت کا فریضہ ہے۔ اس لیے اہل سنت کے اجماعی عقائد اور مسائل بیان کرنے سے منع کرنے کی اجازت کسی کو نہیں دی جاسکتی خواہ وہ علانیہ روافض ہوں یا سنیت کے لبادے میں اندر سے رافضی ہوں (اجماعی کا حوالہ صورت واقعیہ کے تناسب سے ہے) یہ کہنا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظالم نہیں تھے اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا معصومہ نہیں تھیں بات درست ہے لیکن اس سے عوام الناس چھوڑ کر اکثر

مولوی صاحبان بھی اصل مسئلہ اور عقیدہ قطعیہ نہیں سمجھ سکتے۔ اگر انہوں نے سمجھا ہوتا تو پھر یہی کچھ ہونا تھا جو ہوا ہے۔ بے شک ان میں سنیت کے لبادے میں رافضی بھی ہیں لیکن بہت سارے مخلص بھی اسی غلطی میں واقع ہوئے ہیں۔ اس لیے وضاحت سے بیان کرنا ضروری ہے۔ خطا کو صواب نہیں کہ سکتے۔ افسوس ہے قطعیات اسلام اور ضروریات مذہب اہل سنت بھی اچھی طرح معلوم نہیں ہیں لیکن علماء کو گستاخ قرار دینے پر بڑے دلیر ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ہمیں غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور بالخصوص تمام علمائے اہل سنت کو اپنی ذمہ داری کا احساس اور اس سے عہد برآ ہونے کی سعادت بخشے آمین یارب العالمین۔

آخر میں گزارش ہے کہ مسئلہ میراث نبوی میں حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے موقف کی شرعی حیثیت اور مذہب اہل سنت و جماعت بیان کرنے سے مقصود حق کا اظہار اور بیان اور ان فضلاء کی توجہ حقیقت واقعیہ کی طرف مبذول کروانا ہے جو اس مسئلہ میں غلط فہمی کا شکار ہو چکے ہیں۔ بڑی امید ہے کہ وہ اخلاص کا مظاہرہ کرتے ہوئے قبول حق اور اس کے اظہار و بیان میں تاخیر نہیں کریں گے اور جید علماء کرام اس کو پڑھ کر پوری طرح مطمئن ہونے کی صورت میں اپنی تحریری اور تقریری تصدیق وتصویب اور تائید وتوثیق منظر عام پر لائیں اور نوجوان حضرات اگر یہ تحریر بزرگ علمائے کرام تک خود لے جائیں اور پڑھ کر ان کے مطمئن ہونے کی صورت میں ان کی تحریری تصدیق وتصویب مندرجہ ذیل ایڈریس پر ارسال کریں تو اس سے بہت سارے لوگوں کا بھلا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ ورسولہ اعلم۔

ان ارید الا الا صلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب و ما علینا الا البلاغ المبین والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلیہم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

حررہ العبد الفقیر الی اللہ الغنی الکریم

نذیر احمد السیالوی عفی اللہ تعالیٰ عنہ

جامعہ محمدیہ معینیہ فیصل آباد پاکستان۔ ۲۳/ذوالقعدہ ۱۴۴۱ھ موافق ۱۵/جولائی ۲۰۲۰ء۔

□□□

باغ فدک کے تحقیقی فتوی پر

فقیہہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی مدظلہ العالی کی تصدیق

محب محترم مولانا نظام الدین صاحب زید حبہ

سلام ورحمت

آپ کے ٹیلی فونی بیان اور ارسال فرمودہ حضرت مفتی نذیر احمد صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ فدک کے مسئلہ کو لے کر رافضیوں کے، حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو''ظالم'' کہنے کا رد کرتے ہوئے محترم مولانا ڈاکٹر اشرف جلالی صاحب مدظلہ نے حضرت سیدہ طیبہ زاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا کے تعلق سے فرمادیا کہ کروروں فضائل ومراتب کے باوجود''خطا پر تھیں'' پھر اس کی وضاحت بھی فرمادی کہ ان کی یہ خطا''خطائے اجتہادی'' تھی، تو رافضیوں کو چھوڑ کچھ ارباب خانقاہ کے ساتھ، بعض سنی علمائے کرام نے بھی موصوف پر حضرت سیدہ طاہرہ زاہرہ رضی اللہ تعالی عنہا کی توہین وتنقیص کا الزام قائم کر دیا اور یہ خیال نہیں فرمایا کہ اس کی زد معاذ اللہ رب العلمین کہاں کہاں پڑتی ہے؟ پھر ستم بالائے ستم تو یہ ہوا کہ موصوف کے خلاف مقدمہ بھی درج کرایا اور اسمبلی تک میں قرارداد پیش کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیلوا دیا ۔حیرت ہے کہ یہ سب کچھ''ایران'' میں نہیں، اس ملک''پاکستان'' میں ہوا جو، شریعت محمدیہ کے علی الرغم''اسلامی جمہوریہ'' کہلانا اپنا فخر سمجھتا ہے۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ آج اہل بیت اطہار بالخصوص حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی روح پاک خود ان ہی کے تقدس کی آڑ میں اپنے والد گرامی ﷺ کے دیے ہوئے اس حقانی عقیدہ کی پامالی پر کس قدر بے چین ہو رہی ہوگی۔

بلاشبہ شریعت محمدیہ کے مطابق صحابہ کرام بشمول افضل البشر بعد الانبیا حضرت سیدنا ابوبکر صدیق، اسی طرح اہل بیت اطہار بشمول جگر گوشہ رسول حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنہم سے خطائے اجتہادی نہ صرف ممکن بلکہ بسا اوقات واقع بھی ہو چکی ہے۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے اس واضح مسئلہ کو دلائل وبراہین کے ساتھ واضح تر کر کے دکھا دیا ہے۔

میں محترم مولانا جلالی صاحب کو مبارکباد دیتا ہوں، وہ بڑے خوش نصیب ہیں کہ کسی جرم میں ماخوذ ہو کر نہیں، حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالی عنہا کے والد گرامی کے عطا فرمودہ عقیدہ حقہ کے تحفظ کی خاطر قید وبند کی مشقتیں جھیل رہے ہیں، اس طرح سنت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالی عنہ کی تجدید ہو رہی ہے۔ کیا بعید کہ خدائے قدیر وہادی ان کی اس اسیری کے صدقے وقت کے جہانگیروں کو ہدایت دے دے۔ میری دعا ہے کہ حقیقی حاکم ومالک دوجہاں اس عقیدہ حقہ کو عطا فرمانے والے نبی ﷺ کے صدقے مولانا موصوف کو اپنے کرم بے پایاں کے حساب اجر جزیل وجمیل عطا فرمائے۔ آمین

فقیر محمد مطیع الرحمن رضوی غفرلہ

اطلاق خطا اور گستاخی کا شور:
ایک تجزیاتی مطالعہ

مولانا غلام مصطفےٰ نعیمی: مدیر اعلیٰ سواد اعظم دہلی

ان دنوں ڈاکٹر اشرف آصف جلالی صاحب کے ایک جملے پر پاک وہند میں خوب تنازع برپا ہے۔ معاملے کی حساسیت کے پیش نظر ہم نے اس معاملے پر سکوت زیادہ بہتر سمجھا لیکن اس معاملے پر روافض کے دخل اور سنفضی طبقے کی بیجا فعالیت اور عقیدہ اہل سنت کے دفاع کی خاطر ضروری سمجھا کہ مذکورہ معاملے کے اہم پہلوؤں پر تجزیاتی تحریر لکھی جائے تاکہ عوام وخواص فریقین کے دعووں اور دلائل سے باخبر ہو سکیں اور کسی بہتر نتیجے تک پہنچ سکیں۔

چند ماہ قبل "شان مولیٰ علی رضی اللہ عنہ" سیمینار میں باغ فدک کے ضمن میں جلالی صاحب نے پیر مہر علی شاہ گولڑوی کی کتاب "تصفیہ مابین سنی وشیعہ" کا ایک اقتباس پڑھ کر اس کی تشریح کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ:

"مطالبہ فدک کے وقت سیدہ فاطمہ خطاء (اجتہادی) پر تھیں۔"

دوران تقریر اور بعد میں مہینوں تقریر کے متعلق کہیں کوئی بات سننے میں نہیں آئی لیکن کئی ماہ بعد کسی بندے نے سیاق وسباق سے ہٹا کر محض اسی جملے کی کلپ "گستاخی فاطمہ" کے کیپشن کے ساتھ وائرل کر دی۔ پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے پڑوسی ملک میں جلالی صاحب کی مخالفت شروع ہو گئی۔ مخالفت کرنے والوں میں تین گروہ اہم ہیں:

1- رافضی
2- سنفضی (نیم سنی نیم رافضی)
3- بعض سنی علما ومشائخ

مخالفین میں یہی تین گروہ پیش پیش ہیں۔ درجہ بندی کے بعد اختلافی نقطہ نظر کو سمجھنے میں زیادہ آسانی ہوگی۔

رافضی طبقہ اہل بیت اطہار کو معصوم گردانتا ہے اس لیے وہ ہمیشہ سے عقیدہ اہل سنت کے مخالف رہے ہیں اس لیے ان کی مخالفت باعث حیرت نہیں۔

سنفضی، تفضیلی طبقے کے افراد بظاہر خود کو سنی کہلاتے ہیں لیکن مزاجاً روافض کی اتباع وپیروی کرتے ہیں اس لیے جیسے ہی کوئی موقع ملتا ہے تو عقیدہ اہل سنت کی مخالفت اور روافض کی حمایت کا کوئی موقع نہیں چھوڑتے۔ حالیہ معاملے میں جیسے ہی روافض نے شور مچایا تو امیدوں کے عین مطابق سنفضی اور تفضیلی بھی ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے مخالفت کی مہم میں شانہ بشانہ شریک ہو گئے۔

اختلاف کرنے والوں میں کئی ذمہ دار سنی علما ومشائخ بھی شامل ہیں۔ ان میں سے بعض نے لفظ "خطا" کے استعمال کو بے ادبی اور گستاخی قرار دیتے ہوئے توبہ ورجوع کا مطالبہ کیا تو بعض علما نے مذکورہ جملے کو محض تعبیری خطا قرار دیا اور سیدہ فاطمہ کے شایان شان نہ سمجھتے ہوئے اسے تبدیل کرنے کا مشورہ دیا۔

سنی علما ومشائخ کے مخلصانہ مشوروں کو قبول کرتے جلالی صاحب نے اپنے جملے سے رجوع کرتے ہوئے یہ بیان دیا:

"ہم سیرت فاطمہ اور فدک کے بیان میں بھی سیدہ فاطمہ کی جانب خطائے اجتہادی کا ذکر جائز نہیں سمجھتے لیکن روافض کے رد کے وقت بمجبوری خاص اسی موقع پر اس لفظ کا استعمال کرتے ہیں لیکن روافض کے فریب سے عوام اہل سنت کے اعتقادی تحفظ کی خاطر ہم اس لفظ کو ترک کرتے ہیں۔"

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وضاحت کے بعد حالات اپنے معمول پر آجاتے لیکن وضاحت کے بعد بھی حالات پر کوئی فرق نہیں پڑا الٹا جلالی صاحب کی مخالفت میں لا بنگ بڑھتی گئی، نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ان کے بائکاٹ کی اپیلیں جاری ہونے لگیں اور بعض سیاست دانوں کی

مہربانیوں سے قومی اسمبلی میں مذمتی قرارداد بھی پیش کی گئی۔ اپنے موقف کی وضاحت اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عقیدت ومحبت کا اظہار کرتے ہوئے "شان بتول، بے خطا بے گناہ سیدہ زہرا" جیسی کئی کانفرنس منعقد کی گئیں جن میں جلالی صاحب نے نہایت عالمانہ اور مؤدبانہ لب ولہجے میں گھنٹوں خطاب کیا لیکن مخالفین پر ان خطابات کا کوئی اثر نہیں پڑا۔

حالیہ معاملے پر ایک نظر:

جلالی صاحب کے بیان پر رافضی، طبقے کے علاوہ تفضیلی، سنفضی اور بعض سنی علما ومشائخ کے اعتراضات سامنے آئے ہیں۔ شیعوں نے اپنی فطرت کے مطابق تبرا اور گالی بازی شروع کردی ان کی اتباع و پیروی میں سنفضی طبقہ بھی آگے آیا اور دونوں نے مل کر جلالی صاحب کو 'ولد الزنا، نطفہ نامعلوم، مردود، حرامی، حیضی بچہ، منافق شیطان، ناصبی، یزیدی' جیسی گالیاں دے کر اپنے ذوق خاص کا اظہار کیا۔ اب جس گروہ کے نزدیک جماعت صحابہ پر تبرا اور گالی گلوچ مذہبی کلچر کا حصہ ہو اس کی بدزبانی سے بھلا کون محفوظ رہ سکتا ہے؟

ایسے گالی بازوں کے جواب سے ہم بھی معذور ہیں اور "قالوا سلاما" میں ہی عافیت جانتے ہیں۔ رہ جاتے ہیں سنی علما ومشائخ کے اعتراضات، ان میں معترضین کے دو طبقے ہیں:

1- بعض حضرات نے اسے تعبیری خطا قرار دیا اور "احترام اہل بیت" کے پیش نظر اس جملے سے رجوع کا مطالبہ کیا۔
2- بعض کے نزدیک "سیدہ کی جانب خطا کی نسبت شدید گستاخی اور بے ادبی ہے جس سے توبہ ورجوع لازمی ہے۔"

طبقہ اول نے محبت اہل بیت اور لحاظ عرف کے باعث مذکورہ جملے کو بدلنے کی اپیل کی۔ ان کی یہ اپیل یقیناً ان کے خلوص اور محبت اہل بیت کی دلیل ہے۔ ہمیں بھی اس حد تک ان سے اتفاق ہے کہ عوامی عرف کے پیش نظر مطالبہ فدک میں یہی مضمون مزید بہتر انداز میں بیان کیا جاسکتا تھا۔ جیسا کہ "مشکلات الحدیث" میں غزالی زماں علامہ احمد سعید کاظمی نے کیا ہے۔ جس کے مطابق سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اجتہاد کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اجتہاد سے مختلف قرار دیتے ہوئے اجتہاد صدیقی کو بہتر قرار دیا ہے۔

غزالی زماں کے اقتباس کی تشریح کی جائے تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ قضیہ فدک میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہی مبنی برصواب تھا۔ لیکن آپ نے عرف کے پیش نظر ان لفظوں سے پرہیز کیا جن سے رافضی اور رافضی نواز اہل سنت کو ورغلا سکتے تھے جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔

طبقہ دوم نے "نسبت خطا" کو سیدہ کی شان میں بے ادبی اور گستاخی قرار دیتے ہوئے نہایت جذباتی انداز اختیار کیا ہوا ہے۔ جذباتیت کی طغیانی میں وہ مسلسل اس بات کو دہرا رہے ہیں کہ سیدہ کی جانب خطا کا اطلاق کسی طور پر جائز نہیں ہے ایسا کرنا ناصبیت اور بدبختی کی نشانی ہے۔ ان حضرات کے جذباتی ردعمل سے ایکبارگی تو اہل بیت کے تئیں ان کی محبت ظاہر ہوتی ہے لیکن معاملے کا دوسرا رخ دیکھتے ہیں تو حیرت کا شدید جھٹکا لگتا ہے کہ ان "جذباتی دیوانوں" میں وہ "روشن خیال" بھی مورچہ سنبھالے ہوئے ہیں جو سیدہ فاطمہ کے بابا سید عالم ﷺ کی شان اقدس میں کی جانے والی صریح گستاخیوں پر نہ صرف پہلو بدلتے ہیں بلکہ گستاخوں کو شرعی حکم سے بچانے کے لیے تاویلات فاسدہ سے بھی کام لیتے ہیں۔

ایک طرف یہ "جذباتی دیوانے" سیدہ کی جناب میں "خطائے اجتہادی" کا جملہ استعمال کرنے والے کو اہل سنت سے خارج کرنے کی مہم چلا رہے ہیں تو دوسری جانب آقائے دو جہاں ﷺ کی شان میں صریح گستاخیاں کرنے والوں، گستاخیوں کی اشاعت، وکالت اور تبلیغ کرنے والوں سے یاریاں نبھاتے ہیں اور ان کے ساتھ ہم پیالہ وہم نوالہ نظر آتے ہیں۔ آخر یہ دورنگی کیوں؟

سیدہ فاطمہ سے محبت کا دعوی تو سیدہ کے بابا کے دشمنوں سے یارانہ کیسا؟

طبقہ ثانی میں وہ افراد بھی ہیں جو "روشن خیال دیوانوں" سے مزاجاً الگ ہیں اور وہ "نسبت خطا" کو محض بے ادبی تسلیم کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ لفظ خطا مطلقاً بولا گیا ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے اور اس سے فرد کامل مراد ہوتا ہے۔ اس تشریح کے مطابق خطا سے خطائے معصیت کا ماننا لازم آتا ہے جو یقیناً سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا کی جناب میں شدید گستاخی ہے۔

اپنے فہم کے مطابق ان حضرات کا استدلال درست اور بجا ہے لیکن جلالی صاحب پر اس کا انطباق اس لیے درست نہیں ہے کیوں کہ وہ اس بات کی بارہا وضاحت کر چکے ہیں کہ ان کی مراد "خطائے اجتہادی" ہے جو گناہ ہے نہ بے ادبی، بلکہ باعث اجر وثواب ہے تو جو چیز باعث اجر ہو اسے کسی معظم شخصیت کی جانب منسوب کرنا ہرگز ہرگز بے ادبی اور گستاخی

نہیں ہے۔کسی قول کی اصل مراد قائل ہی بیان کرسکتا ہے جب قائل اپنی مراد ظاہر کر چکا تو خود سے اس قول کی مراد متعین کرنا علمی اصولوں کے خلاف ہے۔اگر جملے میں کوئی محتمل لفظ موجود ہو تب بھی قائل کو دیکھا جائے گا کہ وہ کس سوچ وفکر کا حامل ہے،اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"بعض محتمل لفظ جب کسی مقبول سے صادر ہوں بحکم قرآن انہیں معنی حسن پر حمل کریں گے،اور جب کسی مردود سے صادر ہوں جو صریح توہینیں کر چکا ہو تو اس کی خبیث عادت کی بنا پر معنی خبیث ہی مفہوم ہوں گے کہ:

کل اناء یترشح بما فیہ۔ ہر برتن سے وہی کچھ باہر آتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔" (فتاوی رضویہ ج:29/ص35)

اقتباس بالا کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہاں لفظ "خطا" کے قائل علامہ اشرف آصف جلالی ہیں،جن کی فکر ونظر محتاج تعارف نہیں ہے۔

- موصوف بلاشبہ اہل سنت کے نامور محقق،اور متصلب عالم دین ہیں۔
- "توحید سیمینار" میں آپ کے تحقیقی خطابات اور تصنیفات بہترین علمی سرمایہ ہیں۔
- مذکورہ جملہ بھی "شان مولیٰ علی سیمینار" میں ادا کیا گیا۔(ذرا سوچیں! جو شخص مولیٰ علی کی عظمت بیان کرنے بیٹھا ہو،کیا وہ بانوئے مرتضیٰ کی توہین کرے گا؟)
- ماقبل کے جملے میں سیدہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے یہ جملہ ادا کیا:"اہل بیت سے خطا کا امکان تو ہے لیکن رب نے حفاظت فرمادی ہے۔"
- مذکورہ جملے کے فوراً بعد "سیدہ کی عظمت" کا بیان کیا۔
- عقائد اہل سنت کی ترویج واشاعت میں موصوف کی قابل قدر خدمات ہیں۔
- روافض کے رد میں "عدالت صدیق اکبر، عظمت صحابہ" جیسے کئی اہم سیمینار منعقد کر کے سیکڑوں گھنٹوں پر مشتمل کئی تحقیقی خطاب فرما چکے ہیں۔

عقائد اہل سنت کی حفاظت اور بدعقیدوں کی تردید میں آپ کا نام مشعل راہ ہے۔ایسی پاک فکر ونظر اور خدمات کا وسیع دائرہ رکھنے والے عالم دین پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی کا الزام لگانا علمی دیانت اور انصاف کا خون کرنا ہے۔جس شخص کی پوری زندگی دفاع صحابہ اور عظمت اہل بیت میں گزر رہی ہے،اسے بے ادب قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟

خطا کا معنی اور اطلاق:

چونکہ ساری بحث "انتساب خطا" کی بنیاد پر ہو رہی ہے اس لیے ضروری ہے کہ پہلے لفظ خطا کا معنی ومحل سمجھ لیا جائے تاکہ فریقین کے دعووں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔بنیادی طور پر خطا ایسے قول یا فعل کو کہتے ہیں جو درستی کے معیار پر پورا نہ اُترتا ہو لیکن کرنے والے نے جان بوجھ کر انہیں نہ کیا ہو۔یعنی ایسا نہ ہو کہ قائل جانتا ہو کہ وہ جو کہنے/کرنے والا ہے وہ درست نہیں ہے مگر پھر بھی اس کام کو کہے یا کرے۔قرآن کریم میں لفظ خطا اسی معنی میں استعمال کیا گیا ہے:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْ ؕ وَ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿سورة الاحزاب: آیت 5﴾

"انہیں (لے پالکوں کو) ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے پھر اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور بشریت میں تمہارے چچازاد اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو نادانستہ تم سے صادر ہوا ہاں وہ گناہ ہے جو دل کے قصد سے کرو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

دوسرے مقام پر اللہ فرماتا ہے:

وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا۔ (سورۃ النساء:92) "اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے۔"

مذکورہ آیات میں لفظ خطا اس عمل کے بارے میں استعمال کیا گیا ہے،جس میں قائل وفاعل کا قصد وارادہ نہیں پایا گیا بلکہ نادانستہ صدور ہو گیا۔ساتھ ہی آیات مذکورہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کسی "نادرست عمل" کرنے والے کو مطلقاً "غلط کار وخطا کار" نہیں کہا جاتا نہ ہی اس "نادرست عمل" کو شرعی غلطی مانا جاتا ہے۔حدیث پاک میں بھی خطا کو نادانستہ عمل کے معنی میں ہی استعمال کیا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِي الْخَطَأَ، وَالنِّسْيَانَ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ: (سنن ابن ماجہ: رقم الحدیث 2121)

بے شک اللہ نے میری اُمت کی خطاؤں، بھول اور جن کاموں

کے کرنے پر انہیں مجبور کیا گیا۔ (ایسے کاموں) سے درگزر فرمایا ہے)

مذکورہ حدیث میں بھی خطا کا اطلاق نادانستہ عمل پر کیا گیا اور اسے قابل درگزر قرار دیا ہے۔ درج بالا مثالیں ان اعمال و افعال کے بارے میں ہیں جو کسی بھی عام انسان سے صادر ہوتی ہیں۔ عام طور پر خطا کی دو قسمیں کی جاتی ہیں:

1- خطائے عرفی۔

2- خطائے شرعی

خطائے شرعی کی دو قسمیں ہیں:

1- خطائے عنادی: جس میں بالقصد گناہ کیا جاتا ہے۔

2- خطائے اجتہادی: جس میں مجتہد امر خیر کی کوشش کرتا ہے۔ یہ باعث اجر و ثواب ہے۔ اجتہادی امور میں کسی مجتہد پر تنقید جائز نہیں۔ فتاوی رضویہ میں ہے:

''اجتہاد پر طعن جائز نہیں، خطاء اجتہادی کی دو قسم ہے، مقرر و منکر، مقرر وہ جس کے صاحب کو اس پر برقرار رکھا جائے گا اور اس سے تعرض نہ کیا جائے گا، جیسے حنفیہ کے نزدیک شافعی المذہب مقتدی کا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا، اور منکر وہ جس پر انکار کیا جائے گا جب کہ اس کے سبب کوئی فتنہ پیدا ہوتا ہو جیسے اجلہ اصحاب جمل رضی اللہ تعالی عنہم کہ قطعی جنتی ہیں اور ان کی خطا یقیناً اجتہادی جس میں کسی نام سنیت لینے والے کو محل لب کشائی نہیں، یا انہیں اس پر انکار لازم تھا جیسا امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم نے کیا باقی مشاجرات صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم میں مداخلت حرام ہے، حدیث میں ہے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

اذا ذکر اصحابی فامسکوا۔ (المعجم الکبیر حدیث ۱۴۲۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۹۶) جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو زبان روکو۔'' (فتاوی رضویہ ج:29 ص:54)

عقیدہ اہل سنت کے مطابق بزرگ ہستیوں کی جانب خطائے عنادی یا خطائے عرفی کی نسبت کرنا ہرگز جائز نہیں ہے کیوں کہ خطائے عنادی ہو کہ خطائے عرفی، انہیں اخلاقی طور پر درست نہیں سمجھا جاتا اور ان باتوں کو صاحب کردار شخص کے لیے معیوب تصور کیا جاتا ہے۔ جو باتیں اخلاقاً یا عرفاً معیوب مانی جاتی ہوں انہیں بزرگ شخصیات کی جانب منسوب کرنا حد درجے کی جسارت و گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اہل سنت و جماعت میں ادب و احترام کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔ اب رہ جاتا ہے خطائے اجتہادی کا معاملہ، چونکہ خطائے اجتہادی باعث گناہ نہیں بلکہ باعث ثواب ہے، کیوں کہ اس میں امر خیر کی کوشش ہوتی ہے۔ درستی کی صورت میں دوگنا اجر اور خطا کی صورت میں بھی ایک اجر ملتا ہے۔ اس لیے غیر معصوم افراد کی جانب اس کی نسبت کرنا بالاتفاق جائز ہے اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

کیا خطائے اجتہادی کی نسبت گستاخی ہے؟

معظمین کی بارگاہ میں بے ادبی اور گستاخی انتہائی بدنصیبی اور محرومی کی بات ہے لیکن یہ نکتہ واضح رہے کہ معظمین کے حق میں وہ باتیں گستاخی اور بے ادبی کہلاتی ہیں جو فی نفسہ معیوب اور گناہ ہوں جیسے جھوٹ، غیبت، لالچ وغیرہ۔ چونکہ یہ ساری باتیں اپنے آپ میں عیب اور گناہ ہیں، ان جیسی باتوں کو معظمین کی جانب منسوب کرنا یقیناً پرلے درجے کی گستاخی اور سخت بے ادبی ہے لیکن جس ''خطائے اجتہادی'' پر شور برپا ہے وہ فی نفسہ عیب اور گناہ نہیں بلکہ باعث اجر و ثواب ہے۔ اجتہاد کے درست و خطا ہونے اور اس پر ثواب مرتب ہونے کو حدیث میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ۔ (بخاری شریف: رقم الحدیث 7352)

''حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب حاکم کوئی فیصلہ اپنے اجتہاد سے کرے اور فیصلہ صحیح ہو تو اسے دہرا ثواب ملتا ہے اور جب کسی فیصلہ میں اجتہاد کرے اور خطا کر جائے تو اسے (اجتہاد کرنے کے عوض) ایک گنا ثواب ملتا ہے۔''

اب جو بات عیب و گناہ نہیں، باعث اجر و ثواب ہے اس کی نسبت سیدہ فاطمہ کی جانب کرنا گستاخی قرار کیوں پائے گا؟

سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے قبل بھی خطائے اجتہادی کی نسبت معظمین کی جانب کی جاتی رہی ہے۔

ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام کے دانہ گندم کھانے کو خطائے اجتہادی قرار دیا گیا ہے۔

جنگ جمل کے موقع پر سیدنا مولی علی رضی اللہ عنہ کے بالمقابل ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جانب خطائے اجتہادی کی نسبت کی جاتی ہے۔

جنگ صفین کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر

آنے والے اجلہ صحابہ کی جانب خطائے اجتہادی کی نسبت کی جاتی ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب خطائے اجتہادی کا قول کیا جاتا ہے۔

اس طرح کی درجنوں بلکہ اس سے زائد مثالیں کتب میں موجود ہیں لیکن کبھی بھی معظمین کے حق میں خطائے اجتہادی کی نسبت کو گستاخی قرار نہیں دیا گیا تو آج سیدہ فاطمہ کی جانب انتساب کو کس لیے گستاخی قرار دیا جا رہا ہے؟ جو بات انبیاے کرام کے حق میں گستاخی نہیں ہے وہی بات سیدہ فاطمہ کے حق میں گستاخی کیوں بتائی جا رہی ہے!!

اس معاملے پر بعض حضرات حد درجہ جذباتیت اور لفظوں کی بازی گری سے عوام کو Emotionally Blackmail کرنے کی ناروا کوشش کر رہے ہیں۔یہ لوگ جان بوجھ کر "خطائے اجتہادی" کو "خطائے معصیت" بتا کر لوگوں کے جذبات ابھار رہے ہیں۔اگر سیدہ کی شان میں خطائے معصیت کی نسبت کی گئی ہوتی تو یہ سارا ہنگامہ جائز تھا لیکن بار بار خطائے اجتہادی کی وضاحت کرنے کے باوجود خطائے معصیت کی رٹ لگانا اول درجے کی خیانت اور سیدہ پاک کی شان میں شدید قسم کی بے ادبی بھی ہے۔

پچھلے کئی سو سالوں سے ائمہ و مفسرین، انبیاے کرام، صحابہ اور ام المومنین کے حق میں خطائے اجتہادی کی نسبت کرتے آئے ہیں اگر خطائے اجتہادی کی نسبت گستاخی مان لی جائے تو جملہ اکابرین امت پر گستاخی کا الزام لازم آئے گا لیکن آج تک کسی نے بھی خطائے اجتہادی کی بنا پر گستاخی کا قول نہیں کیا تو آج گستاخی قرار دینے کی وجہ کیا ہے؟

کیا ایسی جذباتی باتوں سے غیر شعوری طور شیعوں کے عقیدہ معصومیت کو کھاد پانی فراہم نہیں کیا جا رہا ہے؟

ہمارے افراد کے جذباتی رویوں کو دیکھتے ہوئے سلفضی طبقے نے اہل بیت کے بارے میں "عقیدہ عصمت" کی تخم ریزی شروع کر دی ہے،ایک معروف پیر صاحب نے اپنی فیس بک پوسٹ میں لکھا:

"معصوم صرف نبی ہی نہیں فرشتے بھی معصوم ہیں اور در زہرا سے خیرات لیتے ہیں جب لینے والے معصوم ہیں تو دینے والوں کی عصمت کیا ہوگی۔"

ایک اور معروف پیر صاحب لکھتے ہیں:

"امکان خطا کا عقیدہ اپنے پاس رکھ۔"

یہ دو مثالیں تو مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر درج کر دی ہیں ورنہ اگر سوشل میڈیائی تحریروں کو جمع کیا جائے تو حالات نہایت ناگفتہ بہ نظر آتے ہیں۔انہیں سے اندازہ لگائیں کہ کس دیدہ دلیری کے ساتھ اہل بیت کے حق میں معصوم بنانے کی مہم چل رہی ہے اگر اس فتنہ کا سد باب نہ کیا گیا تو آنے والے وقت میں سنیت میں بھی عقیدہ عصمت جڑیں جمالیگا اور پھر اس فتنے کا مقابلہ انتہائی مشکل ہوگا۔ابھی جو لوگ نادانستہ طور پر اس فتنے کو نہیں پہچان پا رہے اور لاشعوری طور پر فتنوں کے معاون بن رہے ہیں انہیں امام حسن بصری کا یہ قول یاد رکھنا چاہیے جسے امام بخاری نے التاریخ الکبیر میں نقل فرمایا ہے:

الفتنة إذا أقبلت عرفها كل عالم، وإذا أدبرت عرفها كل جاهل"

"فتنہ جب اٹھتا ہے [یعنی جب کسی فتنے کی شروعات ہوتی ہے] تو ہر عالم اسے پہچان لیتا ہے۔اور جب فتنہ چلا جاتا ہے تب جاہل اسے پہچانتا ہے۔"

امام حسن بصری کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ دین میں اٹھنے والے فتنوں کی صحیح سمجھ "علماے دین یعنی دین کی صحیح سمجھ رکھنے والوں" ہی کو ہوتی ہے، وہ فتنوں کے سر اٹھاتے ہی انھیں پہچان لیتے ہیں اور امت کو باخبر کر دیتے ہیں۔جب کہ جاہل اور انجان لوگ ان فتنوں کی حقیقت نہیں سمجھ پاتے۔جب اٹھنے والے فتنے اپنا کام کر جاتے ہیں تب انھیں ان فتنوں کی حقیقت سمجھ میں آتی ہے۔

ایسے ماحول میں جب کہ رافضیت ہماری صفوں میں نقب لگا چکی ہے ہمارے احباب کا اس معاملے پر بیجا جذباتیت سے کام لینا رافضیت کو مزید کمک فراہم کرے گا۔سلفضی طبقہ اس عنوان پر عوام اہل سنت کو ورغلانے کی کوشش میں جٹ گیا ہے۔اس لیے خطائے اجتہادی کے باب میں جو طرز عمل اسلاف کا تھا اسی پر قائم رہا جائے، محبت اہل بیت کے نام پر ایک نئی فکر کے داغ بیل سے پرہیز کیا جائے۔اگر اس طرز عمل سے پرہیز نہ کیا گیا تو غیر شعوری طور پر روافض کے عقیدہ معصومیت کو کھاد پانی فراہم کرنا ہوگا جس کی ذمہ داری ان جذباتی حضرات کے ذمہ ہوگی۔

پس منظر:

یہ بات سو فیصد درست ہے کہ "حساس مسائل کو عوامی اجلاس میں بیان کرنے سے پرہیز کیا جائے کہ نفع کم نقصان زیادہ ہوتا ہے۔"

لیکن کبھی بار بادل نخواستہ بھی ایسے اقدامات کرنا پڑتے ہیں۔ حالیہ معاملے کا پس منظر بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ بیلفی علی نامی ایک رافضیہ عورت نے ٹی وی شو میں اپنے ناقص عدالتی نظام پر تنقید کرتے ہوئے یہ گستاخانہ بیان دیا:

''ہماری Judiciary (نظام انصاف) کا بیڑا غرق اسی دن ہوگیا تھا جس دن فاطمہ زہرا انصاف لینے دربار (صدیقی) گئیں اور ان کو انصاف نہیں ملا اور ان کو جھٹلایا گیا۔''

اس گستاخانہ بیان کی تائید میں دیگر رافضیوں نے بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دشمن زہرا قرار دیتے ہوئے نہایت غلیظ، گھٹیا اور بازاری زبان استعمال کی۔ اسی ملعونہ عورت اور اس کے ہم نواؤں کے جواب میں منعقدہ ''شان مولیٰ علی سیمینار'' میں جلالی صاحب نے نہایت تحقیقی خطاب کیا۔ جس میں آپ نے دلائل قاہرہ سے روافض کا علمی رد کیا۔ کئی مہینوں تک کسی کو بھی گستاخی کا شائبہ تک نہیں گزرا لیکن جب مذکورہ جملے کو سیاق و سباق سے ہٹا کر ''گستاخی زہرا'' کیپشن کے ساتھ وائرل کیا گیا تو ہنگامہ شروع ہوگیا جو بڑھتے بڑھتے یہاں تک آپہنچا ہے۔

پس منظر کی اس بنیادی تفصیل سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ جلالی صاحب نے از خود حساس بحث شروع نہیں کی بلکہ روافض کے جواب اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دفاع میں آپ کو اس حساس عنوان پر خطاب کرنا پڑا۔ چونکہ یہ الزام ٹی وی جیسے عوامی فورم پر لگایا گیا تھا جس سے عوام اہل سنت میں سخت اضطراب تھا۔ عوامی خلجان کو دور کرنا اور عقیدہ اہل سنت کا دفاع کرنا ضروری تھا اس لیے حساسیت کے باوجود اس عنوان پر عوامی اجلاس کیا گیا تا کہ عوام اہل سنت روافض کی فریب کاریوں سے محفوظ رہ سکیں۔

مطالبہ فدک: ایک زاویہ نظر:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بوقت مطالبہ یا اعلان مسئلے کی مکمل تفصیلات صاحب اجتہاد کی نگاہ سے پوشیدہ رہتی ہیں اور وہ اپنے فہم کے مطابق اجتہاد کرتے ہیں ایسی صورت میں اپنے مطالبے اور ادعا کے وقت صاحب اجتہاد اپنے فہم اور دلائل کی بنیاد پر مبنی برصواب ہی ہوتے ہیں لیکن جب معاملے کے مخفی گوشے سامنے آتے ہیں تو انہیں علم ہوتا ہے کہ ان کا نہیں بلکہ دوسرے مجتہد کا فہم و اجتہاد مبنی برصواب ہے۔ اس کی مثال میں سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مہر کی تحدید والا واقعہ اہم نظیر ہے جب آپ نے معاشرے میں مہر کی بڑھتی ہوئی رسم کے سد باب کی خاطر چالیس اوقیہ درہم سے زیادہ مہر مقرر کرنے پر پابندی لگادی اور خلاف ورزی کی صورت میں اضافی رقم کو بیت المال میں جمع کرنے کا اعلان فرمایا۔ آپ کے اعلان و اجتہاد کے خلاف ایک ضعیفہ خاتون نے آواز اٹھائی اور مسئلہ کی مکمل تفصیل رکھتے ہوئے کہا قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا

(سورہ نساء ۲۰)

''اور اسے [مہر میں] ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔''

ضعیفہ نے اس آیت کی رو سے ثابت کیا کہ مہر کی اکثر مقدار پر پابندی لگانا قرآن عظیم کی آیت کے خلاف ہے۔

اپنے اعلان کے وقت حضرت عمر کے ذہن میں مہر کے بیجا استعمال روکنے کی بات تھی لیکن ضعیفہ کے اجتہاد سے انہیں مسئلے کی مکمل تفصیل کا علم ہوا تو آپ نے وسعت قلبی کے ساتھ اعتراف کرتے ہوئے فرمایا:

اصابت المرأة واخطا عمر ۔ عورت نے درست کہا اور عمر سے خطا (اجتہادی) ہوئی۔ (تفسیر قرطبی ج:۵/ص ۹۹ دار الکتب المصریہ)

یہاں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ یہ وہ سیدنا عمر فاروق اعظم ہیں جن کی رائے وحی قرآنی کے سب سے زیادہ مطابق ہوتی تھی لیکن حالیہ معاملے میں ان کے ذہن سے مہر کا یہ گوشہ مخفی رہا جسے ضعیفہ نے پیش کیا۔ اب قضیہ فدک کو سمجھتے ہیں، قضیہ فدک میں دو باتیں اہم ہیں:

۱۔ سیدہ کائنات رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرنا۔

۲۔ مطالبے کے برعکس سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عدم وراثت کا فیصلہ کرنا۔

قضیہ فدک میں ایک طرف سیدہ فاطمہ کا اجتہاد تھا، دوسری جانب سیدنا صدیق اکبر کا اجتہاد تھا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اجتہاد کے مطابق وہ باغ فدک کی وارثہ قرار پاتیں۔ صدیق اکبر کا اجتہاد اس کے برخلاف تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوگا۔ چونکہ دونوں پہلو ایک دوسرے کے برعکس ہیں اس لیے بہت سارے لوگ شش و پنج میں پڑ جاتے ہیں اور ہر دو عظیم شخصیات کے مابین تقابل کر کے کسی ایک کی کسر شان کے مرتکب ہوتے ہیں اور عاقبت برباد کرتے ہیں۔ اہل سنت کا موقف اعتدال پر مبنی ہے جس کے تحت نہ کسی شخصیت کی کسر شان ہوتی ہے نہ توہین۔ امام ابن

ہمام کمال الدین محمد فرماتے ہیں:

"کل مجتہد مصیب والحق عند اللہ واحد۔ (فتح القدیر ج ۷ ص ۳۴۷ دار الفکر بیروت)

"ہر مجتہد اجر کا حق دار ہوتا ہے اور اللہ کے نزدیک حق ایک [موقف] ہوتا ہے۔"

یعنی جب دو مجتہدوں کے موقف ایک دوسرے کے برخلاف ہوں تو عند اللہ ایک ہی موقف درست ہوتا ہے لیکن تلاش خیر اور اخلاص نیت کی وجہ سے دونوں مجتہد اجر وثواب کے حقدار ہوتے ہیں۔

سیدہ فاطمہ زہرا نے آیت میراث کے حکم عام کے تحت باغ فدک کا مطالبہ کیا۔ آپ کا خیال تھا کہ آیت میراث "يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ" میں حضور ﷺ بھی شامل ہیں بایں وجہ تنہا بیٹی ہونے کے ناطے وہ نصف حصہ کی حقدار تھیں۔ اپنے استدلال کے مطابق سیدہ اپنے مطالبے میں حق بجانب تھیں لیکن سیدہ کا اجتہاد مسئلہ وراثت کے محض ایک گوشے پر مرکوز تھا۔ معاملے کا دوسرا پہلو، ان پر منکشف نہ تھا جب سیدہ نے مطالبہ کیا تو حضرت صدیق اکبر نے حدیث رسول پیش کرتے ہوئے معاملے کا دوسرا پہلو، سیدہ کے سامنے رکھا۔ یہ وہ پہلو تھا جو سیدہ کے علم میں نہیں تھا ورنہ آپ کا اجتہاد پہلے سے مختلف ہوتا۔ دونوں اجتہاد ایک دوسرے سے متعارض تھے، ان میں سے کوئی ایک اجتہاد ہی مبنی برصواب ہو سکتا تھا جیسا کہ امام ابن ہمام کے حوالہ سے گزرا، اب ہم جیسے گناہ گاروں کی اوقات نہیں کہ ان عظیم المرتبت شخصیات کے مابین محاکمہ کریں، اس لیے ہم ان عظیم ترین ہستیوں کے طرز عمل سے ہی معلوم کرتے ہیں کہ کس کا اجتہاد مبنی برصواب تھا؟

جب ہم واقعہ کی تفصیل دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مطالبہ فدک کے بعد جب سیدہ فاطمہ کے سامنے صدیق اکبر کا اجتہاد آیا تو آپ نے اپنے اجتہادی مطالبے کو ترک کرتے ہوئے صدیق اکبر کے اجتہاد کو تسلیم کیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مبارک عمل ہی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ قضیہ فدک میں سیدنا ابوبکر صدیق کا اجتہاد ہی مبنی برصواب تھا ورنہ سیدہ فاطمہ ہرگز اپنے اجتہادی مطالبے سے دست بردار نہ ہوتیں۔ خاتون جنت نے اپنے مبارک طرز عمل سے صدیق اکبر کے اجتہاد پر درستی کی مہر ثبت کر دی اور اپنے بابا سید عالم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کو سچ ثابت کر دکھایا جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں:

ان اللہ یکرہ فوق سمائیہ ان یخطأ ابا بکر۔ (تاریخ الخلفا رواہ الطبرانی: ج ۱ ص ۴۲)

"اللہ تعالیٰ آسمان پر اس بات کو پسند نہیں فرماتا کہ ابوبکر سے خطا ہو۔"

اب اگر کوئی لفظوں کے ہیر پھیر سے صدیق اکبر کے اجتہاد کو مبنی برصواب نہیں مانتا تو وہ نہ صرف صدیق اکبر بلکہ جملہ خلفائے راشدین کو ظالم وغاصب بھی مانتا ہے بلکہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی مخالفت کا بھی مرتکب بھی ہوتا ہے۔

مطالبہ فدک اجتہادی تھا یا نہیں؟

باغ فدک کو لیکر دو موقف تھے، ایک سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا کا، دوسرا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا۔ دونوں ہی حضرات کے پاس دلائل تھے لیکن بعد گفتگو سیدنا ابوبکر صدیق کا موقف مبنی برصواب ثابت ہوا۔ خاتون جنت نے بھی آپ کے موقف کی درستی کو تسلیم کر لیا، امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

ان فاطمة علیها السلام رضیت بقول ابی بکر بعد هذه المناظرة. وانعقد الاجماع علی صحة ماذهب الیه ابوبکر۔

(تفسیر الرازی: ج ۹ ص ۵۱۴، دار احیا التراث العربی بیروت)

"حضرت فاطمہ پر سلامتی ہو، بے شک وہ اس مباحثہ کے بعد حضرت ابوبکر کے فیصلے سے راضی ہوگئیں اور حضرت ابوبکر کے موقف کی صحت و درستی پر اجماع منعقد ہوگیا۔"

بعض اہل علم مطالبہ فدک کو اجتہادی ہی تسلیم نہیں کرتے ان کا کہنا ہے کہ "حضرت فاطمہ کا مطالبہ کوئی اجتہادی عمل نہیں تھا بلکہ قرآن کے نص صریح پر عمل تھا اور حضرت صدیق اکبر کے ذریعے حدیث رسول کی اشاعت سے پہلے اس عمل پر اعتقادی قرآن کا مطلوب تھا۔"

مطالبہ فدک اجتہادی تھا، اس پر علمائے اسلام کے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی فرماتے ہیں:

"جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پتا چلا کہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کچھ کبیدہ خاطر ہیں، اس لیے نہیں کہ میں نے ان کو حدیث رسول سنائی ہے بلکہ اس لیے کہ میرا اجتہاد ان کے اجتہاد سے بہتر ہے۔" (مشکلات الحدیث: ص ۲۰۷)

علامہ سید ظہیر الدین زیدی قادری قاصول فقہ بیان کرتے ہوئے "الاجتهاد لا ینقض بالاجتهاد" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''یعنی ایک اجتہاد دوسرے اجتہاد سے ساقط نہیں ہوتا یعنی ٹوٹتا نہیں ہے۔ اس قاعدے کی بنیاد صحابہ کرام کا عمل ہے کہ سیدا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چند مسائل کے سلسلے میں حکم صادر فرمایا جس کی مخالفت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کی مگر سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حکم اس سے نہ ساقط ہوا نہ کالعدم، **اسی طرح فدک کے بارے میں خلیفہ اول کا حکم حضرت عباس حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے اجتہاد سے نہ ٹوٹا نہ ساقط ہوا۔**''

(ضمیمہ بہار شریعت: ج ۳/ص ۵۶۸ مطبع فرید بک ڈپو دہلی)

شارح صحیح مسلم علامہ غلام رسول سعیدی تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت ابوبکر اور حضرت فاطمہ میں اس حدیث کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں تھا **بلکہ ان کے درمیان رائے اور اجتہاد کا اختلاف تھا۔**'' (شرح صحیح مسلم: ج ۵/ص ۴۳۸)

اسی میں لکھتے ہیں:

''**کیا حضرت ابوبکر پر یہ لازم تھا کہ اجتہادی امور میں بھی حضرت فاطمہ کی موافقت کریں گے** تو اس کا جواب واضح ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کیوں کہ ایک مجتہد پر دوسرے مجتہد کی موافقت لازم نہیں ہے۔'' (ایضاً)

''روشن خیالی'' کے داعی اعظم ڈاکٹر طاہر القادری مسئلہ فدک پر اپنے حالیہ بیان میں کہتے ہیں:

''**مطالبہ فدک میں سیدہ النسا کا اپنا فہم اور اجتہادی رائے تھی۔**'' (مکمل تقریر یوٹیوپ پر موجود ہے)

البدایہ والنہایہ میں ہے:

وقد روينا ان فاطمة رضي الله عنها احتجت اولاً بالقياس وبالعموم في لآية الكريمة. فاجابها الصديق بالنص على الخصوص بالمنع في حق النبي۔''

(البدایہ والنہایہ، ج ۵/ص ۲۸۹ دار الفکر بیروت)

''ہم نے روایت کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پہلے قیاس اور آیت کریمہ کے عموم سے استدلال فرمایا، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نص کے ذریعے جواب دیا کہ حضور ﷺ کے ساتھ یہاں پر منع خاص ہے۔''

مذکورہ حوالہ جات سے واضح ہو جاتا ہے کہ مطالبہ فدک میں سیدہ کائنات نے اجتہاد فرمایا تھا۔ البدایہ والنہایہ کے حوالے سے تو یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے دو طرح سے اجتہاد فرمایا پہلے قیاس سے اور بعدہ آیت کے عمومی حکم سے! مسند امام احمد بن حنبل میں ہے:

عن ابي سلمة ان فاطمة قالت لابي بكر من يرثك اذا مت؟ قال ولدي واهلي. قالت فما لنا لا نرث النبي ﷺ؟ قال سمعت النبي ﷺ يقول ان النبي لا يورث.

(مسند احمد بن حنبل: ج ۱/ص ۲۶۶، موسسۃ الرسالہ، بیروت)

''حضرت ابوسلمہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ آپ کے انتقال کے بعد آپ کا وارث کون ہوگا؟ صدیق اکبر نے فرمایا میری اولاد اور میرے گھر والے، حضرت فاطمہ نے فرمایا: پھر ہم حضور ﷺ کے وارث کیوں نہیں ہوں گے؟ حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا ہے: انبیا کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔''

شرح معانی الآثار کی روایت میں ہے:

عن ام هانی ان فاطمة رضي الله عنها قالت يا ابا بكر من يرثك اذا مت؟ قال ولدي واهلي. قالت فما لك ترث النبي ﷺ دوني؟ قال: يا ابنة رسول الله ﷺ ما ورث ابوك دارا ولا ذهبا ولا غلاما۔ (شرح معانی الآثار: ج ۳/ص ۳۰۸، عالم الکتب الطبعۃ، مدینہ منورہ)

''حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے ابوبکر آپ کے انتقال کے بعد آپ کا وارث کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا میری اولاد اور گھر والے، حضرت فاطمہ نے کہا: تو آپ حضور ﷺ کا وارث میرے علاوہ کو کیوں بناتے ہیں؟ حضرت ابوبکر نے جواب دیا: اے شہزادی رسول ﷺ آپ کے والد نے گھر، سونا اور غلام وراثت میں نہیں چھوڑے۔''

ان حوالہ جات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا نے مطالبہ فدک میں فہم و اجتہاد سے کام لیا تھا، جو کہ ان کا منصب بھی تھا۔ اس لیے جو احباب اس معاملے میں اجتہاد کا انکار کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ جس طرح سیدہ کے اجتہاد پر واضح حوالہ جات پیش کریں، جس طرح اثبات اجتہاد پر واضح اقتباسات پیش کیے گیے ہیں۔ یہ اقتباسات بھی بطور نمونہ پیش کیے گیے ہیں ورنہ اسلاف کی کتب میں جا بجا اس کی تصریح موجود ہے۔

□□□

باغ فدک کے مسئلہ پر حالیہ بحران:

حقیقت کی تلاش

از: طارق انور مصباحی = ایڈیٹر: ماہنامہ پیغام شریعت (دہلی)

ماہ فروری 2020 میں ڈاکٹر آصف اشرف جلالی صاحب قبلہ نے ایک رافضیہ کا جواب دیتے ہوئے ایک جملہ کہا۔اس کے بعد ہندو پاک میں بحث کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوگیا، پھر 20: جولائی 2020 کو ڈاکٹر موصوف کو گرفتار کرلیا گیا۔موصوف کی گرفتاری اہل سنت وجماعت کے لیے ایک اذیت رساں امر ہے۔

ایسے مواقع پر دفع فتنہ کے واسطے مشروط توبہ کی جاسکتی ہے ۔جب کسی کلام کی غلطی ثابت نہ ہو تو غیر مشروط توبہ نہیں ہوسکتی، کیوں کہ بلاشرط، توبہ کی صورت میں صحیح قول کو ترک کرنا اور غیر صحیح کو اختیار کرنا لازم آئے گا۔ہاں، بحث کا دروازہ بند کرنے کے واسطے مشروط توبہ میں کوئی شرعی قباحت نظر نہیں آتی ،مثلاً اس طرح کہا جائے:

''اگر میرا قول شریعت اسلامیہ کی نظر میں قابل گرفت ہے تو میں نے اس کلام سے توبہ ورجوع کیا'' ۔

چوں کہ ایسے مواقع پر عام طور پر ''کلموا الناس علی قدر عقولہم'' کا لحاظ نہ کرنے کے سبب شور وہنگامے ہوجاتے ہیں تو ہنگامہ آرائی کو ختم کرنے کی راہ اپنانی ہوگی، اور اس کلام سے قائل کا جو مقصود تھا ،اس کو سہل اسلوب میں پیش کرنا ہوگا۔اس طرح ہنگاموں کو کنٹرول کرنے میں بھی آسانی ہوگی اور قوم کی صالح رہنمائی بھی ہوسکے گی۔

ایسے موقع پر اہل حق کو بھی متکلم کے کلام کے ساتھ اس کے مقاصد پر بھی نظر رکھنی چاہئے ،تاکہ ہنگامے بھی بند ہوں اور باطل نظریات کو بھی دفن کیا جاسکے۔مومنین کے ایمان وعقیدہ کا تحفظ مقصد اولین ہے۔اختلاف کے سبب عوام مسلمین انتشار میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور جو مقصد اصلی تھا، وہ نظروں سے غائب ہوجاتا ہے۔

پاکستان کے ایک معترض کی آڈیو کلپ سننے کا موقع ملا، جس میں ڈاکٹر موصوف پر بے ادبی، اور کفر لزومی کی بات کی گئی تھی۔اسی کلپ کے مشمولات پر مختصر تبصرہ مرقومہ ذیل ہے۔مضمون میں کسی فریق کے نام کی بجائے متکلم اور فریق دوم کے لفظ سے تعبیر ہوگی۔کسی فریق کی حمایت کی بجائے حکم شرعی کا بیان ہوگا: واللہ الموفق والہادی

لفظ خطا کے متعدد معانی:

فریق دوم کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ متکلم نے جس بیان میں وقوع خطا کی بات کی ہے، وہاں خطا سے خطائے اجتہادی مراد نہیں لیا جاسکتا، کیوں کہ سیاق کلام اور قرینہ سے یہ ثابت ہے کہ یہاں اس خطا کی بات ہے، جس سے اہل بیت محفوظ ہیں اور یہ خطائے اجتہادی نہیں، بلکہ وہ خطا بمعنی معصیت ہے۔اب اس خطا کے وقوع کی نسبت حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف کرنا یقیناً ایک غلط بات ہے۔اس سے فریق اول کو توبہ کرنی واجب ہے۔نیز وہاں خطائے اجتہادی کا قول کرنا بھی مناسب نہیں، کیوں کہ حضرت سیدتنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وراثت سے متعلق قرآن مجید کی قطعی الدلالت آیت مقدسہ کے پیش نظر باغ فدک میں میراث کا مطالبہ کیا تھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث نبوی کے پیش نظر باغ فدک میں میراث جاری نہ فرمائی، اس لیے یہاں دونوں شخصیتوں پر کوئی اعتراض نہیں۔(ملخصا)

جواب: لفظ خطا کے متعدد مفاہیم:

(1) اگر فریق دوم کی وضاحت کے اعتبار سے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہاں خطا سے خطائے اجتہادی مراد نہیں ہوسکتی ہے تو بھی یہاں شہزادی رسول حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر

کوئی اعتراض وارد ہونے کی گنجائش نہیں۔ شاید متکلم نے اس مفہوم کو بھی اپنے وضاحتی بیان میں پیش کیا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

کسی سے صدور خطا بھی ہو، اور حکم خطا بھی عائد نہ ہو، یعنی اس مرتکب کے حق میں وہ امر خطا نہ ہو، جیسے علم ویقین کی حالت میں کسی ضروری دینی کا انکار یقیناً کفر ہے، لیکن نو مسلم لاعلمی کی حالت میں کسی ضروری دینی کا انکار کردے تو اس ضروری دینی سے لاعلم ہونے کے سبب نو مسلم کا انکار کفر نہیں، اسی لیے اس پر حکم کفر عائد نہیں ہوگا اور لاعلمی کے سبب ضروری دینی کا انکار اس کے حق میں کفر نہیں ہوگا۔ یہاں نو مسلم سے کفر کا صدور بھی ہوا، لیکن وہ نہ اس کے حق میں کفر ہے، نہ ہی اس پر کفر کا حکم کا وارد ہوتا ہے۔ حکم کفر اس وقت وارد ہوگا، جب اس کو علم ویقین ہو جائے کہ یہ ضروری دینی ہے۔ جب علم یقینی ہو جانے کے بعد انکار کرے تو یہ انکار کفر ہے۔

مسئلہ حاضرہ کی تفہیم کے لیے ایک مثال رقم کی جاتی ہے۔ زید کے والد نے اپنی جائیداد کا نگراں اور محافظ کسی کو بنا دیا تھا۔ اس کی جائیداد میں ایک انگور کا باغ تھا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد زید نے اس محافظ ونگراں سے انگور کے باغ میں اپنی وراثت طلب کی تو نگراں نے کہا کہ آپ کے والد نے وہ باغ فلاں کو فروخت کردی تھی، اور اس خریدار نے اس باغ کی حفاظت ونگرانی بھی میرے ذمہ کردی ہے تو میں جیسے آپ کی جائیداد کی حفاظت کرتا ہوں، اسی طرح اس کے باغ کی بھی حفاظت ونگرانی کرتا ہوں۔

پھر اس محافظ نے اس کے والد کے انگور کا باغ فروخت کرنے کے کاغذات اور گواہوں کے نام بتائے۔ زید نے گواہوں سے بھی تحقیق کرلی اور اسے اطمینان ہوگیا کہ اس کے والد نے وہ باغ فروخت کردی تھی۔

اب کسی نے کہا کہ زید باغ کے مطالبہ میں خطا پر تھا تو یہ بات صحیح ہے کہ جب وہ باغ اس کے والد کی ملکیت نہیں تھا تو اس باغ میں وراثت کا مطالبہ غلط تھا، لیکن لاعلمی کی صورت میں وراثت کا مطالبہ جرم نہیں۔ اگر جان بوجھ کر زید باغ کا مطالبہ کرتا تو اب یہ مطالبہ جرم ہوتا، کیوں کہ جس کا یہ مستحق نہیں، اس کا مطالبہ کر رہا ہے۔

لاعلمی کے سبب جو غلط مطالبہ ہوا، وہ ظاہر میں غلط مطالبہ ہے لیکن حقیقت میں صحیح مطالبہ ہے، کیوں کہ اس نے اپنے والد کی ملکیت سمجھ کر مطالبہ کیا، پس یہاں کسی امر میں دو اعتبار ہوتے ہیں۔ ظاہری اعتبار اور حقیقی اعتبار۔

حقیقی اعتبار سے یہ مطالبہ صحیح ہے۔ ظاہری اعتبار سے یہ مطالبہ غلط ہے۔ جو اس مطالبہ کو صحیح کہے، اس نے حقیقی اعتبار سے اس کو صحیح کہا اور جس نے غلط کہا وہ ظاہری اعتبار سے غلط کہا۔

اب یہاں دوسرا کہے کہ زید اپنے مطالبہ میں صحیح تھا تو یہ بات بھی صحیح ہے کہ جب اس نے اپنے والد کی ملکیت سمجھ کر مطالبہ کیا تو حقیقت میں وہ غلط مطالبہ کرنے والا نہیں، اسی لیے جب اسے باغ فروخت ہونے کا علم ہوگیا تو اس نے مطالبہ ترک کردیا، کیوں کہ وہ جائز حق کی طلب میں تھا۔ جب اس پر واضح ہوگیا کہ باغ اس کے والد کی ملکیت میں نہیں تو وہ اس باغ کا حقدار نہیں، اور اس جانکاری کے بعد اس کا ترک مطالبہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ حقیقت میں غلط مطالبہ کرنے والا نہیں تھا، ورنہ جانکاری کے بعد بھی وہ مطالبہ جاری رکھتا۔

مذکورہ بالا عبارت میں جو مفہوم بیان ہوا، یہ عام انداز میں مسئلہ کی تفہیم کے لیے بیان کیا گیا ہے۔ ارباب فضل وکمال کے لیے لفظ خطا کا استعمال عرف میں معیوب ہو تو ان کی عظمت شان کے موافق الفاظ وعبارات میں اس مفہوم کو باندازِ احسن پیش کیا جاسکتا ہے۔ نہ صرف ارباب فضل وکمال، بلکہ ہر مومن قابل تکریم ہے۔ لوگ اللہ ورسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے بے ادبوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں، حالاں کہ ان پر سخت شرعی احکام وارد ہیں، اور سنی مسلمانوں کی تذلیل کرتے ہیں، حالاں کہ ان سے محبت وتکریم کا حکم ہے۔

لفظ خطا کے تین معانی کا بیان:

مذکورہ بالا تشریح کے مطابق خطا کے تین مفہوم ہوں گے: (1) وہ خطا جو معصیت ہو (2) وہ خطا جو غیر معصیت ہو۔ اس پر نہ اجر وثواب ہو، نہ ہی گناہ۔ (3) وہ خطا جو موجب اجر وثواب ہے، یعنی اجتہادی خطا۔

مطالبہ باغ فدک میں خطا کے معنی اول مراد ہونے کی کوئی صورت نہیں، کیوں کہ میراث نبوی سے متعلق حدیث نبوی میں بیان کردہ خصوصی حکم سے عدم معرفت، اور قرآن مجید میں بیان کردہ حق میراث کے پیش نظر خاتون جنت حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مطالبہ حق پر مبنی ہے تو ایسی صورت میں عند الشرع یہ مطالبہ معصیت قرار نہیں پاسکتا۔ جب جان بوجھ کر کوئی خلاف شرع مطالبہ ہو، تب وہ

مخالفت شرع کے سبب معصیت ہوگا۔

جب حدیث نبوی سن کر حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے عدم استحقاق کا علم ہوا، اور آپ نے مطالبہ ترک فرما دیا تو اس سے بالکل واضح ہوگیا کہ وہ موافق شرع میراث کا مطالبہ فرما رہی تھیں۔

حدیث نبوی سن کر مطالبہ ترک کرنا ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بحکم قرآنی اپنے حق کا مطالبہ فرما رہی تھیں۔ جب یہ مطالبہ در حقیقت قرآن مجید کے موافق تھا تو اس مطالبہ کے معصیت ہونے کی کوئی راہ موجود نہیں۔ اگر ان کو حدیث نبوی پہلے معلوم ہوتی تو مطالبہ ہی نہ فرماتیں، جیسے مطالبہ کے بعد حدیث نبوی معلوم ہونے پر مطالبہ بالکل ترک فرما دیا۔ دوبارہ کبھی مطالبہ نہ فرمائیں۔

یہاں لفظ خطا کے بیان کردہ تین معانی میں سے پہلا معنی معصیت ہے، اور مطالبہ باغ فدک پر یہ معنی کسی طور پر منطبق نہیں ہوتا تو مطالبہ باغ فدک میں یہ معنی مراد نہیں ہوسکتا۔ اب معنی دوم و معنی سوم باقی رہے۔

معنی سوم کی نسبت ارباب فضل وکمال کی طرف نہ شرعاً معیوب ہے، نہ ہی عرفاً معیوب ہے۔ معنی سوم کی تعبیر کے واسطے خطائے اجتہادی کا لفظ مروج ہے اور ارباب فضل وکمال کے لیے خطائے اجتہادی کا لفظ استعمال کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا، بلکہ خطائے اجتہادی موجب اجر وثواب اور مظہر فضل وکمال ہے، کیوں کہ نہ کوئی عام آدمی اجتہاد کرسکتا ہے، اور نہ اس سے خطائے اجتہادی ہوسکتی ہے۔ اجتہاد کوئی مجتہد ہی کرسکتا ہے۔

خطائے اجتہادی اعلیٰ درجہ کے اہل فضل وکمال یعنی مجتہدین کے ساتھ خاص ہے۔ اس خطا پر بھی انہیں ایک اجر وثواب ہے، کیوں کہ انہوں نے شرعی دلیل میں غور وفکر کیا اور حق کو پانے کی کوشش کی، گرچہ حق تک رسائی نہ ہوسکی، لیکن ان کی محنت ومشقت، شرعی دلائل میں غور وفکر اور اصابت حق کی نیت صالح وقصد محمود پر انہیں اجر ملتا ہے۔ اگر حق کو پالیتے تو دو ثواب انہیں ملتا۔ اس کا ذکر حدیث مصطفوی میں موجود ہے۔

مسئلہ حاضرہ میں متکلم معنی سوم مراد لیتا ہے، اور فریق دوم معنی سوم مراد لینے پر اعتراض کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ معنی سوم مراد نہیں ہو سکتا۔ اب ایک معنی باقی رہا، یعنی معنی دوم۔ یہاں معنی اول مراد نہیں ہوسکتا، اور فریق دوم معنی سوم مراد لینے کا منکر ہے تو اگر معنی اول اور معنی سوم مراد نہ ہو تو صرف معنی دوم کی گنجائش باقی رہی۔

معنی دوم مراد لینے پر متکلم پر اعتراض ہوگا، یا نہیں۔ اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔ ہند وپاک میں شور محشر اسی معنی دوم نے کھڑا کردیا ہے۔ اسی شور وغوغا نے اہل حق کو بھی اس جانب متوجہ کردیا۔

معنی دوم کی نسبت ارباب فضل وکمال کی طرف:

مفہوم دوم حقیقت میں غیر معصیت ہے، لیکن اس کی ظاہری شکل وصورت معصیت کی طرح ہے، اسی لیے عرف میں ارباب فضل وکمال کی طرف اس کی نسبت کو غیر مناسب سمجھا جاتا ہے۔ چوں کہ عرف میں ارباب فضل کی طرف لفظ خطا کی نسبت کو معیوب سمجھا جاتا ہے تو اب یہ دیکھنا ہوگا کہ اس عرف کے اعتبار سے ارباب فضل کے لیے لفظ خطا کا استعمال از روئے شرع خلاف اولیٰ وغیرہ ہوگا یا نہیں؟ اس کی تحقیق کرنی ہوگی۔ قبل تحقیق کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ آج جو صورت لفظ خطا کی ہے، وہی حال لفظ باغی کا ہے۔

صحابی رسول حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ برحق شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخالفت کی لیکن وہاں اجتہادی خطا کے سبب مخالفت تھی۔ وہاں گناہ کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اس مخالفت کو پہلے بغاوت کہا جاتا تھا، لیکن بعد میں علمائے اسلام اس مخالفت کو بغاوت سے تعبیر کرنا ناپسند فرمانے لگے، کیوں کہ بعد میں بغاوت کا مشہور مفہوم الگ ہوگیا، اسی لیے اب ان نفوس قدسیہ کو باغی نہیں کہا جائے گا۔ اب باغی کی جگہ کوئی دوسرا لفظ استعمال کرنا ہوگا۔ صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ والرضوان نے صحابی رسول حضرت طلحہ وحضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

> ''عرف شرع میں بغاوت مطلقاً مقابلہ امام برحق کو کہتے ہیں۔ عناداً ہو، خواہ اجتہاداً۔ ان حضرات پر بوجہ رجوع اس کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ گروہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حسب اصطلاح شرع اطلاق فئہ باغیہ آیا ہے، مگر اب کہ باغی بمعنی مفسد ومعاند وسرکش ہوگیا اور دشنام سمجھا جاتا ہے۔ اب کسی صحابی پر اس کا

اطلاق جائز نہیں''۔(بہار شریعت حصہ اول ص ۲۶۰-مجلس المدینۃ العلمیہ)

اب سوال یہ ہے کہ کیا لفظ باغی کی طرح ارباب فضل وکمال کے لیے لفظ خطا کا بھی استعمال نہیں ہونا چاہئے، گرچہ لفظ خطا سے وہاں گناہ مراد نہ ہو، بلکہ بھول چوک، سہو ونسیان وغیرہ مراد ہو۔ فقہائے اسلام اس بارے میں حکم شرعی کی وضاحت فرمائیں، تاکہ عوامی شورو ہنگامے بند ہوں۔ دوملک ہنگاموں کی لپیٹ میں ہے۔

ہندوپاک میں اردو زبان مروج ہے۔ اردو کے مشہور لغت فیروز اللغات میں لفظ خطا کے متعدد معانی مرقوم ہیں۔ یہ مشترک لفظ ہے۔ اردو زبان میں غلطی، سہو، بھول، چوک کے معنی میں اس کا استعمال مشہور ہے۔

لفظ خطا کے معانی:

(۱) قصور، گناہ، جرم، تقصیر (۲) غلطی، سہو، بھول، چوک ۔(فیروز اللغات: فصل خ ط)

جب فریق دوم خطائے اجتہادی مراد لینے پر معترض ہے تو خطائے اجتہادی مراد نہ لیا جائے، تو بھی حدیث نبوی کی عدم معرفت، اور آیت قرآنیہ میں استحقاق وراثت کے اعتبار سے حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باغ فدک کا مطالبہ حقیقت میں عدم معصیت ہے، گرچہ ظاہری اعتبار سے وہ تسامح ہو۔

لفظ خطا سے احتراز کے طور پر لفظ تسامح استعمال ہوا۔ اس سے بہتر کوئی لفظ ہو تو اسی کا استعمال کیا جائے۔ یہاں مسئلہ کی تفہیم مقصود اصلی ہے، نہ کہ کسی خاص لفظ کا استعمال۔ لفظ تسامح اہل فضل کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

آمدم برسر مطلب:

اگر ارباب فضل وکمال کے حق میں معنی دوم کی تعبیر کے لیے لفظ خطا کا استعمال عرف میں معیوب سمجھا جاتا ہو تو لفظ میں تبدیلی کرکے شایان شان لفظ کا استعمال ہو مثلاً تسامح، یا اس سے بھی بہتر تعبیر تلاش کی جائے۔

چوں کہ یہاں لفظ خطا کے معنی میں عدم معصیت کا مفہوم ملحوظ ہے تو متکلم نے اسی عدم معصیت کی وضاحت کے واسطے بعد میں کہا: ''بے خطا بے گناہ سیدہ طاہرہ''۔ اس سے متکلم کا اعتقاد حق بھی واضح ہو گیا۔

خطا کا یہ معنی دوم عند الشرع معصیت نہیں ہے تو اگر متکلم نے اس کی نسبت کسی معظم دینی کی طرف کردی تو ان کی طرف معصیت کی نسبت کرنا ثابت نہیں ہوا، بلکہ عدم معصیت کی نسبت کرنا ثابت ہوا، کیوں اس کے مفہوم میں عدم معصیت ملحوظ ہے، اور اہل فضل کی طرف عدم معصیت کی نسبت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لفظ خطا کے استعمال پر صرف عرفی طور پر اعتراض ہوگا، شرعی طور پر نہیں۔ چوں کہ یہ لفظ عرفاً معیوب سمجھا گیا تو متکلم نے اس کو بدل کر اس طرح کردیا: ''سیدہ معصومہ نہیں اور ابوبکر ظالم نہیں''۔

اب عرفی طور پر بھی اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہی۔ اگر بیان اول میں لفظ خطا کے استعمال کے سبب کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو ان سے معذرت خواہی مناسب ہے، لیکن یہاں کوئی شرعی حکم وارد نہیں ہوتا۔

مفہوم سوم یعنی خطائے اجتہادی مراد لینا صحیح ہے یا نہیں؟

(2) فریق دوم لفظ خطا سے خطائے اجتہادی مراد لینے پر معترض ہے اور اس بات کا مدعی ہے کہ سیاق کلام یعنی قرینہ لفظ خطا کے مفہوم کو متعین کررہا ہے، اور ماقبل کلام میں جس خطا کا ذکر ہے، وہ خطائے اجتہادی نہیں، بلکہ وہ خطا ہے، جس سے غیر معصوم محفوظین محفوظ قرار دیئے جاتے ہیں، جب کہ خطائے اجتہادی کا صدور محفوظین سے ہوتا ہے۔(ملخصا)

جواب: دراصل لفظ خطا کسی مفہوم میں متعین ومفسر نہیں۔ اس میں متعدد معانی کا احتمال موجود ہے۔

اس کے معنی کے تعین کے لیے قرینہ یا بیان متکلم کی ضرورت درپیش ہوگی۔ فریق دوم نے قرینہ کا لحاظ کیا اور فریق اول نے اپنا بیان قطعی جاری کیا۔ یہاں متکلم نے صریح ومفسر لفظوں میں بار بار کہا کہ خطا سے ہماری مراد خطائے اجتہادی ہے۔ ان کا یہ بیان، بیان قطعی بالمعنی الاخص ہے۔ اس کے بالمقابل قرینہ کو ترجیح حاصل نہیں ہو سکتی، گرچہ یہاں قرینہ کو قطعی بالمعنی الاعم بھی مان لیا جائے۔

بیان کبھی ظنی، کبھی قطعی بالمعنی الاعم اور کبھی قطعی بالمعنی الاخص ہوتا ہے۔ قرینہ کبھی ظنی اور کبھی قطعی بالمعنی الاعم ہوتا ہے۔ قرینہ قطعی بالمعنی الاخص نہیں ہوتا، کیوں کہ وہاں یہ احتمال بعید موجود ہوتا ہے کہ متکلم کی مراد وہ نہ ہو جو قرینہ سے ظاہر وثابت ہو رہا ہے۔ مسئلہ حاضرہ میں سیاق کلام قرینہ ہے اور خطائے اجتہادی مراد ہونا متکلم کے بیان قطعی بالمعنی الاخص سے ثابت ہوا۔

جب بیان قطعی بالمعنی الاخص اور قرینہ میں تعارض ہو تو بیان قطعی بالمعنی الاخص کو ترجیح حاصل ہوگی، کیوں کہ قرینہ کبھی ظنی اور کبھی قطعی بالمعنی الاعم ہوتا ہے۔ اگر یہاں قرینہ کو قطعی بالمعنی الاعم بھی مان لیا جائے تو بھی وہ بیان قطعی بالمعنی الاخص کے مقابلے میں ترجیح نہیں پا سکے گا، کیوں کہ قطعی بالمعنی الاعم اور قطعی بالمعنی الاخص میں تعارض ہو تو قطعی بالمعنی الاخص کو ترجیح حاصل ہوگی۔

اصول فقہ کی اصطلاح کے اعتبار سے اس طرح کہا جائے گا کہ مفسر کے مقابلے میں نص موجود ہو تو مفسر کو ترجیح ہوگی، کیوں کہ نص میں جانب مخالف کا احتمال بعید ہوتا ہے، اور مفسر میں جانب مخالف کا احتمال بعید بھی نہیں ہوتا، لہٰذا مفسر راجح قرار پائے گا۔

قرینہ اور بیان قطعی کی تفصیلی بحث ''البرکات النبویہ'' رسالہ دہم (باب سوم: فصل چہارم) میں ہے۔

ضروریات دین اور تکفیر کلامی کے باب میں بیان قطعی بالمعنی الاخص کا اعتبار ہوگا۔ قرینہ قطعی الاخص نہیں ہوتا، اس لیے ضروریات دین اور باب تکفیر کلامی میں قرینہ کا

505450 عَلَی الْمَقَاصِدِ {(المستصفی للغزالی جلد اول ص 366)

توضیح: منقولہ بالا عبارت سے واضح ہو گیا کہ متکلمین کے یہاں صرف قول کے ذریعہ بیان واقع ہوتا ہے۔ فعل، اشارہ، رمز وغیرہ قرینہ ہیں۔ قرینہ قطعی بھی ہو تو قطعی بالمعنی الاخص نہیں ہوتا اور ضروریات دین اور تکفیر کلامی کے باب میں قطعی بالمعنی الاخص دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، پس ضروریات دین اور تکفیر کلامی کے باب میں قرینہ کے ذریعہ معنی کا تعین نہیں ہو سکتا۔

قرینہ کبھی ظنی ہوتا ہے اور کبھی قطعی بالمعنی الاعم۔ جب قرینہ قطعی بالمعنی الاخص نہیں ہوتا تو ضروریات دین اور تکفیر کلامی کے باب میں قرینہ کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اسی طرح قرینہ کبھی بیان قطعی بالمعنی الاخص کے بالمقابل راجح قرار نہیں پائے گا، مثلاً قطعی قرینہ بتا رہا ہے کہ یہاں متکلم کی مراد کفری معنی ہے، لیکن بیان قطعی بالمعنی الاخص اس کے خلاف ہے تو بیان قطعی کا لحاظ ہوگا۔

اشخاص اربعہ کا کفری کلام، کفری معنی میں متعین اور مفسر یعنی کفری معنی میں قطعی بالمعنی الاخص ہے، اسی لیے تاویل قبول نہیں کی گئی۔ وہاں کسی قرینہ کے سبب کفری معنی کا تعین نہیں ہوا تھا، بلکہ خود کلام کفریہ معنی میں مفسر و متعین تھا۔ مفسر کلام میں قرینہ یا بیان کا لحاظ نہیں ہوتا، بلکہ کلام کے متعین معنی کے اعتبار سے حکم جاری ہوتا ہے۔ محتمل کلام میں قرینہ یا بیان کا لحاظ ہوتا ہے۔

مسئلہ حاضرہ میں لفظ خطا متعدد معانی کا احتمال رکھتا ہے۔ جب فریق دوم نے بھی معنی کی وضاحت کے لیے قرینہ اور سیاق کلام کو دلیل بنایا تو اس کے یہاں بھی لفظ خطا محتمل ہے۔ اب متکلم کا قطعی بالمعنی الاخص بیان آ گیا تو قرینہ کا لحاظ نہیں ہوگا، بلکہ بیان قطعی بالمعنی الاخص کے سبب لفظ خطا سے خطائے اجتہادی مراد ہوگی۔

اگر خطائے اجتہادی، لفظ خطا کا معنی نہ ہوتی، تب متکلم کے بیان قطعی بالمعنی الاخص کا لحاظ نہیں ہوتا، کیوں وہ ایسے معنی کا بیان ہو جاتا کہ لفظ جس کا احتمال ہی نہیں رکھتا، لیکن یہاں لفظ خطا کا ایک معنی خطائے اجتہادی ہے تو متکلم کے بیان قطعی بالمعنی الاخص سے وہ معنی متعین ہو جائے گا اور قرینہ کی دلالت کا لحاظ نہیں ہوگا، کیوں کہ بیان قطعی بالمعنی الاخص کے بالمقابل قرینہ مرجوح ہوگا، گرچہ قرینہ قطعی بالمعنی الاعم بھی ہو۔

فریق دوم کی تعبیر بہت عمدہ:

فریق دوم نے کہا کہ حضرت سیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مطالبہ قرآن مجید کے موافق تھا، لہٰذا وہ حق پر تھیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منع فرمانا حدیث کے موافق تھا، لہٰذا وہ بھی حق پر تھے، یعنی اس باب میں دونوں حق پر تھے۔ یہ عمدہ تعبیر ہے اور عوامی خلفشار سے بچنے کی عمدہ راہ ہے۔ دراصل عہد حاضر میں ہمیں حقانیت کے ساتھ ان راہوں کی تلاش اور ان تعبیرات کا لحاظ کرنا ہوگا جس سے بدمذہبیت فنا ہو سکے۔ کئی سالوں سے رافضیت کا قدم اہل سنت و جماعت کی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ ہمیں متحد و متفق ہو کر اس پر بند باندھنا چاہئے۔

امکان وقوعی کی بحث:

فریق دوم نے متکلم کے امکان وقوعی والی بحث پر جو کلام کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب متکلم نے عہد ماضی میں تمام ممکن امور کے لیے امکان وقوعی، بلکہ ضرورت و دوام ثابت مان لیا تو تمام غیر معصومین کے لیے تمام گناہ اور کفر و ارتداد بھی ممکن ہے تو اس اعتبار

سے عہد ماضی کے تمام غیر معصومین کا معاذ اللہ کفر وشرک وغیرہ میں مبتلا ہونا ثابت ہوگیا اور ایسا قول کرنا مفضی الی الکفر ہے، لہٰذا متکلم پر کفر لزومی کا حکم عائد ہوتا ہے۔ (ملخصا)

جواب: صفات الٰہیہ اور صفات بندگان الٰہی میں فرق

(1) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری نے امکان کی جو بحث فرمائی۔ (فتاویٰ رضویہ: ج15ص 345-346) وہ بحث اللہ تعالیٰ کی صفات سے متعلق ہے۔ وہ بحث بندوں کی صفات پر منطبق نہیں ہوسکتی۔ صفات الٰہیہ اور بندوں کی صفات میں بہت فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تمام صفات، صفات کمالیہ ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ: ج15 ص349) تمام صفات بالفعل حاصل ہیں، بلکہ واجب بالذات ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ: 15ص348)

اگر کسی صفت کے بارے میں کہا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، لیکن حاصل نہیں ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ کوئی صفت کمال رب تعالیٰ سے متخلف ہے، اور اس کے علاوہ مزید دیگر نقص لازم آئیں گے۔ (فتاویٰ رضویہ: 15ص348)

اسی طرح اگر کوئی صفت بالفعل حاصل نہ ہو تو جب حاصل ہوگی، تب ذات الٰہی میں تغیر پایا جائے گا اور ذات الٰہی میں تغیر محال ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: 15ص347)

دیوبندیوں کے عقیدۂ امکان کذب کا رد کرتے ہوئے امام احمد رضا نے فرمایا کہ بقول دیابنہ جب کذب اللہ تعالیٰ کے لیے ممکن ہے تو یہ ثابت بھی ہوگا، بلکہ بالفعل اور دائمی وضروری طور پر ثابت ہوگا، کیوں کہ اگر کلام لفظی میں کذب ہو تو کلام نفسی میں بھی کذب ہوگا اور جب کلام نفسی میں کذب ہو تو وہ بالفعل، دائمی اور ضروری ہوگا۔

کلام لفظی میں اسی وقت کذب کا ثبوت ہوگا، جب کلام نفسی میں کذب کا ثبوت ہو، کیوں کہ کلام نفسی مدلول ہے اور کلام لفظی دال ہے۔ دال اسی کو بیان کرتا ہے جو کچھ مدلول میں ہوتا ہے۔

اگر کلام نفسی میں کذب نہ ہو تو کلام لفظی میں کذب کا ہونا محال ہوگا، کیوں کہ کلام لفظی دال ہے اور کلام نفسی مدلول ہے۔ کلام لفظی میں کذب پایا جائے اور کلام نفسی میں نہ پایا جائے تو مدلول کے وجود کے بغیر دال کا وجود پایا گیا اور یہ محال ہے۔ جیسے آئینہ کے سامنے کوئی جسم ہو تو آئینہ میں اس کا عکس آئے گا۔ جب آئینہ کے بالمقابل کوئی جسم نہ ہو تو آئینہ میں کوئی عکس نہیں آئے گا۔ وہی حال دال اور مدلول کا ہے۔

اسی طرح دال کا کاذب ہونا، اور مدلول کا صادق ہونا بھی محال ہے۔ کیوں کہ دال اسی کو بیان کرتا ہے جو مدلول میں ہو۔ جب مدلول میں کذب نہیں تو دال میں بھی کذب نہیں ہوگا۔ الحاصل جب کلام لفظی میں کذب ہو تو کلام نفسی میں بھی کذب ثابت ہوگیا اور کلام نفسی، ازلی، ابدی، واجب للذات اور مستحیل التجدد ہے۔

کلام نفسی میں بالفرض اگر کچھ کذب ہے (یہ مفہوم فعلیت ہے) تو ہمیشہ کذب ہی رہے گا (یہ مفہوم دوام ہے) اور وجوبی طور پر وہ کذب رہے گا (یہ مفہوم ضرورت ہے)۔ مستحیل التجدد ہونے کا یہی مفہوم ہے۔

پس کلام لفظی میں امکان کذب ماننے سے (معاذ اللہ عن ذلک) رب کو بالفعل کاذب ماننا اور کلام نفسی میں کذب کو بالفعل ماننا اور اس کذب کا دائمی وضروری ہونا ثابت ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ یہ سب الزامی مباحث ہیں جو کسی باطل کے بطلان کو واضح کرنے کو لکھ دیئے جاتے ہیں۔ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ امکان کذب کے دھبہ سے بھی پاک ہے۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ من سوء الاعتقاد)

امام اہل سنت وجماعت نے فتاویٰ رضویہ (ج15ص 345-346) میں جو رقم فرمایا۔ اسی کی یہ توضیح ہے۔ بندوں کی صفات کے احکام الگ ہیں۔ بندوں کے لیے کوئی صفت ممکن بالذات ہو تو نہ اس سے امکان وقوعی ثابت ہوتا ہے، نہ ہی فعلیت، نہ ہی دوام، نہ ہی ضرورت۔ نہ ہی وسعت، نہ ہی تکلیف، نہ ہی قدرت۔

بندگان الٰہی کی صفات کے احکام بالکل جداگانہ ہیں۔ صفات الٰہیہ کے احکام اپنے باب تک محدود ہیں۔

بندوں کی صفات اور امکان وقوعی

(2) انسانوں کی دو قسمیں ہیں: (1) غیر معصوم (2) معصوم۔

انسان سے کسی گناہ کا صدور محال بالذات یا واجب بالذات نہیں تو ممکن بالذات ہوگا۔ تینوں صورتوں کا عدم نہیں ہوسکتا، یعنی نہ ممکن بالذات ہو، نہ محال بالذات، نہ واجب بالذات۔ جب ثابت ہوگیا کہ انسان سے گناہ کا صدور ممکن بالذات ہے تو وہ ممکن الوقوع ہے یا نہیں؟ اگر وہاں استحالہ بالغیر ہو تو امکان ذاتی ثابت ہوگا، لیکن استحالہ بالغیر کے سبب امکان وقوعی ثابت نہیں ہوگا۔

امکان وقوعی کا عدم اس وقت تک ہوگا، جب تک کہ استحالہ

بالغیر باقی رہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ استحالہ بالغیر دائمی ہو، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ استحالہ بالغیر عارضی اور غیر دائمی ہو۔

انسان معصوم کے لیے عصمت الٰہی ثابت ہے اور یہ دائمی طور پر ثابت ہے تو انسان معصوم سے گناہ کے صدور کا امکان وقوعی دائمی طور پر معدوم ومسلوب ہوگا۔

انسان غیر معصوم سے گناہ کے صدور کا امکان ذاتی اور امکان وقوعی دونوں ثابت ہیں اور جب استحالہ عارضی بھی ثابت نہ ہو تو امکان وقوعی دوام، ضرورت اور فعلیت کے ساتھ ثابت ہوگا، لیکن امکان وقوعی کے دائمی، ضروری اور بالفعل ہونے سے کسی گناہ کا صدور ثابت نہیں ہوجاتا۔

میرے پاس سو روپے ہیں اور میں مٹھائی کی دوکان میں موجود ہوں، اور مٹھائی خریدنے سے کوئی امر مانع نہیں تو میں مٹھائی خریدنے پر بالفعل قادر ہوں۔ یہاں قدرت کا امکان ذاتی اور امکان وقوعی فعلیت کی صفت کے ساتھ موجود ہے تو اس سے مٹھائی خریدنا ثابت نہیں ہوجاتا۔ جب خریدوں گا، تب خریدنا ثابت ہوگا۔

بندگان الٰہی احکام خداوندی کے مکلف ہیں تو مکلف ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ جب بندہ کسی امر کا مکلف ہے تو وہ امر ممکن بالذات ہو، ممکن الوقوع بھی ہو، اور بندہ کی وسعت وقوت میں بھی ہو: لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا (سورہ بقرہ: آیت 286)

اس فعل کے صدور کے لیے مزید ایک چوتھا امر چاہئے، جس کو استطاعت کہا جاتا ہے۔ علم کلام کی کتابوں میں استطاعت مع الفعل کی بحث دیکھ لیں۔ کسی امر کے ممکن الوقوع ہونے سے اس کا صدور کیوں کر ہوگا۔ فعل کے ممکن الوقوع ہونے کے ساتھ فاعل کے اندر وسعت (سلامت اسباب وآلات) اور استطاعت (حقیقت قدرت جس سے فعل واقع ہو) چاہئے۔

الحاصل کوئی گناہ ممکن بالذات ہو، یا ممکن وقوعی۔ گناہ کے امکان ذاتی یا امکان وقوعی کے ثبوت سے کوئی حکم بندوں پر عائد نہیں ہوگا۔ جب بندوں سے کسی گناہ کا صدور ہوگا، تب حکم عائد ہوگا۔

فعل کے صدور کے باوجود بعض شرطیں ایسی ہیں کہ ان کے فقدان کے وقت حکم صادر نہیں ہوگا، مثلاً مکرہ ومجبور نے توحید الٰہی کا زبان سے انکار کردیا اور دل میں تصدیق باقی ہے تو اس پر حکم کفر عائد نہیں ہوگا۔

لزوم کفر کب ثابت ہوتا ہے؟

(3) متکلم نے یہ کہا ہے کہ عہد ماضی میں کسی امر کا امکان تھا تو عہد ماضی اور زمان حال میں اس کا امکان وقوعی تسلیم کیا جائے گا اور مستقبل کا حکم الگ ہے۔ فریق دوم نے امکان وقوعی سے اس امر کا صدور وظہور مراد لے لیا، حالاں کہ امکان وقوعی تسلیم کرنے سے فعل کا صدور ثابت نہیں ہوتا۔

اگر بالفرض امکان وقوعی سے فعل کا صدور مراد لیا جائے تو فریق دوم کے استدلال کے اعتبار سے غیر معصومین کے لیے جہاں کفر وارتداد کا ثبوت ہوجائے گا، وہیں قطبیت وغوثیت اور ولایت ومعرفت اور ایمان وعمل صالح کا بھی ثبوت ہوجائے گا اور یہ معلوم ہے کہ ایمان وکفر دو متضاد امر ہیں، دونوں ایک ہی انسان کے لیے بیک وقت ثابت نہیں ہوسکتے تو یہاں اجتماع متضادین کے محال ہونے کے سبب کسی ایک ہی کا ثبوت ہوگا۔ اب ان دونوں متضادین میں سے کس کا ثبوت مانا جائے؟ کسی کو ترجیح دینے کا کوئی سبب ظاہر نہیں۔

جب دونوں امور متعارض ہیں اور سبب ترجیح موجود نہیں تو جس اعتبار سے ثبوت مانا گیا تھا، اس اعتبار سے دونوں کو ساقط الاعتبار ماننا ہوگا، اور پھر صدور حقیقی کے اعتبار سے کلام ہوگا کہ جس نے حقیقت میں ایمان لایا، وہ مومن ہے اور جس سے حقیقی طور پر کفر صادر ہوا، وہ کافر ہے۔

واضح رہے کہ یہ محض ایک بحث ہے، ورنہ متکلم نے نہ تمام غیر معصومین کا ذکر کیا ہے، نہ ہی غیر معصومین کے ایمان وکفر کی بات کی ہے۔ فریق دوم نے بھی اقرار کیا کہ متکلم نے یہ سب کہا نہیں ہے، لیکن اس کے قول سے ایسا لازم آتا ہے، اور یہ حوالہ دیا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے بھی دیابنہ کے امکان کذب کے قول اور اللہ تعالیٰ کے ہر شئ پر قادر ہونے کے قول پر بحث کرتے ہوئے لازم آنے والے بہت سے امور کا ذکر کیا ہے، تاکہ قول کی شدت کو واضح کیا جاسکے۔

لیکن فریق دوم نے یہ نہیں دیکھا کہ دیابنہ نے جو کچھ کہا تھا، صرف اسی پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ القوی نے حکم شرعی بیان فرمایا، گرچہ بہت سے لازم آنے والے مفاسد کا ذکر فرمایا، جب کہ یہاں فریق دوم نے ان امور پر حکم شرعی کی بنیاد رکھی، اور متکلم پر کفر لزومی کا حکم عائد کردیا جن کو متکلم نے بیان ہی نہ کیا تھا، نہ صراحتاً، نہ کنایۃً۔ گرچہ فریق دوم کی

فہم ثاقب کے مطابق وہ امور ثابت ہو رہے ہوں۔

جب کسی کلام سے کسی ضروری دینی کا التزامی انکار ثابت ہوتا ہے تو اس کے قائل پر کفر کلامی کا حکم عائد ہوتا ہے، اور کسی کلام سے ضروری دینی کا لزومی انکار ثابت ہوتا ہے تو اس کے قائل پر کفر فقہی کا حکم ہوتا ہے۔ متکلم کے کلام میں نہ کسی ضروری دینی کا انکار ہے، نہ ضروریات اہل سنت میں سے کسی امر کا انکار ہے، پھر متکلم پر حکم کفر کیسے؟

نہ متکلم کے کلام سے التزامی طور پر مومنین کا کافر ہونا ثابت ہوتا ہے، نہ لزومی طور پر، پھر متکلم پر حکم کفر کیسے؟

فریق دوم نے لزوم کفر کی جو توضیح کی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ متکلم نے ایک قول کیا، جس سے ایک دوسرا قول لازم آیا، اب اس دوسرے قول کے اعتبار سے متکلم پر کفر لزومی کا حکم عائد ہوا۔ متکلم نے کہا کہ عہد ماضی میں جس امر کا امکان ذاتی ہو، اس کا امکان وقوعی ثابت ہوتا ہے۔ اس پر فریق دوم کے نقد وجرح کا خلاصہ یہ ہے کہ: عہد ماضی میں تمام غیر معصومین سے کفر وشرک کا صدور ممکن تھا اور جب صدور ممکن تھا تو بقول متکلم اس کفر وشرک کا صدور ثابت ہوا، جب سب کا کفر وشرک ثابت ہوا، تو اس سے عہد ماضی کے مومنین کا کافر ہونا ثابت ہوا، اور جس قول سے مومنین کا کافر ہونا لازم آئے، وہ قول خود کفریہ ہوگا اور قائل پر لزومی کفر کا حکم ہوگا۔

فریق دوم کو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ متکلم نے جو کلام کہا ہے۔ خود اس کلام سے لزومی یا التزامی کفر ثابت ہوگا، تب متکلم پر کوئی حکم شرعی وارد ہوگا۔ متکلم کے قول سے کوئی دوسرا قول لازم آئے، پھر اس قول لازم سے کفر لازم آئے تو قول لازم سے یہ کفر لازم آیا۔ متکلم کے قول سے کفر لازم نہ آیا۔ جب متکلم کے کلام سے کفر لازم نہ آیا تو اس پر حکم کفر کیوں کر ہوگا؟

کیا امکان ذاتی امکان وقوعی کو مستلزم ہے؟

متکلم کا قول کہ عہد ماضی میں امکان ذاتی کے ثبوت سے امکان وقوعی کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ یہ اسی وقت ہوگا، جب استحالہ بالغیر معدوم ہو، ورنہ ممکن بالذات کے لیے جس عہد میں بھی امتناع بالغیر ثابت ہوگا، اس عہد میں امکان وقو

قیاس الی الزمان الماضی او الحال، لا الاستقبال {(حاشیۃ الکلنبوی علی شرح الدوانی علی العضدیہ)

منقولہ بالا عبارت میں طرف ممکن سے طرف وجود مراد لینا محل نظر ہے۔ طرف عدم بھی مراد ہو سکتی ہے۔

ممکن بالذات میں طرف وجود اور طرف عدم دونوں طرف ممکن بالذات ہوتی ہے۔ اب اگر طرف عدم ممکن الوقوع ہو، اور طرف وجود ممکن بالذات اور محال بالغیر ہو، تو یہاں طرف عدم ممکن الوقوع بالفعل ہوگی، کیوں کہ طرف وجود محال بالغیر ہونے کے سبب معدوم ہے تو اگر طرف عدم بھی معدوم ہو تو وجود وعدم دونوں کا معدوم ہونا لازم آئے گا، اور ارتفاع نقیضین لازم آئے گا، پس جب اس ممکن کا وجود نہیں تو عدم ثابت ہوگا، پھر یہاں طرف ممکن الوقوع سے طرف وجود مراد لینا کیوں کر صحیح ہوگا؟

ہاں، جب ممکن کی جانب وجود وجانب عدم میں سے کسی جانب استحالہ بالغیر نہ ہو تو دونوں جانب ممکن الوقوع ہوں گی، لیکن محض ممکن الوقوع ہونے کے سبب کسی ایک جانب کا بالفعل ہونا ثابت نہ ہوگا، گرچہ کوئی ایک جانب وہاں بالفعل ثابت ہوگی، ورنہ ارتفاع نقیضین لازم آئے گا، مگر جانب ثابت کے ساتھ جانب غیر ثابت کا امکان وقوعی ثابت ہوگا، کیوں کہ جانب غیر ثابت میں استحالہ بالغیر نہیں ہے۔ ہاں، دونوں جانب، یعنی جانب وجود وجانب عدم دونوں بیک وقت موجود بالفعل یعنی بالفعل ممکن الوقوع نہیں ہوں گی۔

سوال: جب کسی کے لیے جانب ایمان ثابت ہے تو جانب ایمان کے ثبوت کے وقت جانب کفر کا ثبوت محال ہے، ورنہ اجتماع نقیضین لازم آئے گا، تو ثبوت ایمان کے وقت ثبوت کفر ممتنع بالغیر ہونا چاہئے۔

جواب: جانب ایمان کے ثبوت کے وقت جانب کفر کا ممکن الوقوع ہونا ثابت ہے، ممکن الوقوع بالفعل ہونا ثابت نہیں۔ ممکن الوقوع بالفعل ہونا اسی وقت ثابت ہوگا، جب ایمان کا زوال ہو جائے، نیز ایمان ممکن الزوال ہے۔ جب ایک طرف ممکن الزوال ہوگی تو طرف ثانی ممکن الوجود اور ممکن الوقوع ہوگی، گرچہ ممکن الوجود بالفعل یعنی بالفعل موجود نہ ہو۔ ارباب منطق توجہ فرمائیں اور متکلم بھی نظر ثانی فرمائے۔

رب تعالیٰ کے وعدۂ عصمت کے سبب معصوم کے لیے گناہ محال بالغیر ہوگا، ورنہ کذب کلام الٰہی لازم آئے گا، اور یہ محال بالذات ہے۔ محفوظ عن الخطا کے لیے حفاظت ثابت ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ گناہ کا صدور نہیں ہوگا، یعنی گناہ ممکن بالذات اور ممکن الوقوع ہوگا، لیکن

ممکن الوقوع بالفعل نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ حفاظت الٰہی میں ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ عصمت وحفاظت کے مفہوم شرعی پر غور وفکر کے بعد حسب ضرورت مزید تفصیل رقم کی جاسکتی ہے۔یہاں محض منطقی الفاظ واصطلاحات کے اعتبار سے کلام ہے: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

مناظرہ اور افتا کے احکام:

متکلم کا بیان اول جس میں لفظ خطا کا ذکر ہے۔وہ ایک رافضیہ عورت کی بدگوئی کے جواب میں تھا، اس لیے اس کا شمار مناظرانہ مباحث میں ہوگا، اور ارباب فقہ وافتا پر واضح ہے کہ مناظرانہ مباحث کے وہ احکام نہیں جو عام مباحث اور عام کلمات کے احکام ہیں۔بحث ومناظرہ میں بیان کردہ الزامی جوابات کو اعتقاد پر محمول نہیں کیا جاتا۔

امام اہل سنت قدس سرہ العزیز کے رسالہ "القمع المبین فی آمال المکذبین" (فتاویٰ رضویہ جلد 15 ص 470 تا 472-ص 511-جامعہ نظامیہ لاہور) کے اخیر میں مناظرانہ مباحث کے احکام مرقوم ہیں۔اسی طرح فتاویٰ رضویہ جلد 15 ص 514 تا 519 میں بحث ومناظرہ کے احکام مرقوم ہیں۔مناظرہ اور افتا کے احکام جداگانہ ہیں۔مسئلہ حاضرہ میں اس کا بالکل لحاظ نہیں کیا گیا۔

ہاں، جب مناظر سے ان کا اعتقاد دریافت کیا جائے تو اعتقاد صحیح کو بیان کرنا ضروری ہے۔اسی طرح مناظراتی مباحث میں از روئے شرع قابل گرفت جملوں کا علم وادراک ہونے پر اس سے توبہ ورجوع لازم ہے۔خواہ خود سے اس جانب متوجہ ہو، یا کسی کے توجہ دلانے پر اپنی خطا کا علم ہو۔چوں کہ مسئلہ حاضرہ میں متکلم کے جملوں میں تاویل صحیح کی گنجائش موجود ہے، اس لیے نہ فقہا کے اصول کے اعتبار سے کوئی حکم عائد ہوتا ہے، نہ ہی متکلمین کے اصول کے اعتبار سے۔لفظ خطا کے معانی اور امکان وقوعی کا مفہوم ماقبل میں مرقوم ہوا۔

متکلم کا حکم شرعی:

متکلم لزوم کفر یا بے ادبی کے جرم سے بری ہے۔بے ادبی کا جرم اس لیے ثابت نہیں کہ متکلم نے بیان اول میں خطا سے اجتہادی خطا مراد لی ہے اور ارباب فضل وکمال کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں۔لزوم کفر اس لیے ثابت نہیں کہ متکلم کے کلام سے مومنین کا کافر ہونا لازم نہیں آتا، بلکہ کسی ایسے قول سے مومنین کا کفر لازم آتا ہے جو متکلم نے کہا نہیں ہے: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

والیہ المرجع والمآب

مندرجہ ذیل سوالات کو حل فرمائیں، تاکہ مستقبل میں انتشار واختلاف ختم ہوسکے:

(1) غیر معصومین کے لیے بوجہ ضرورت لفظ خطا کے مطلق استعمال کا حکم شرعی کیا ہے؟

(2) غیر معصومین کی طرف بوجہ ضرورت صدور گناہ کی نسبت کا کیا حکم ہے؟

(3) آداب وتوقیر کے باب میں "مومن بہ" اور غیر مومن بہ کا حکم یکساں ہے یا مختلف؟

"مومن بہ" وہ ہے جس پر ایمان لاکر آدمی مومن ہوتا ہے۔ان میں ذات وصفات الٰہی، کتب خداوندی، حضرات انبیا وملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام، فرائض اربعہ، قیامت وامور آخرت وجملہ ضروریات دین شامل ہیں۔

(4) کیا حضرات صحابہ کرام واہل بیت عظام رضی اللہ تعا

ت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ لانفرق بین احد من رسلہ{ (سورہ بقرہ)

(5) "مومن بہ" کی بے ادبی کفر ہے، کیوں کہ وہ تصدیق وایمان کے منافی ہے۔

غیر مومن بہ یعنی مومنین کی توہین وبے ادبی حرام وناجائز ہے یا کفر ہے؟

واضح رہے کہ مومنین کی بے ادبی ایمان یا خدا اور رسول (عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی نسبت سے کی جائے تو اس کا حکم بدل جائے گا، مثلاً زید کو کسی ذاتی دشمنی کے سبب قتل کرنا حرام ہوگا، لیکن زید کو اس لیے قتل کیا کہ وہ مسلمان ہے تو محض ایمان واسلام کے سبب زید کو قتل کرنا کفر ہوگا۔کسی دوسرے سبب سے قتل مومن کفر نہیں۔

مومن کے حکم میں دو حیثیت کا لحاظ ہوسکتا ہے، یعنی ایک اس کی ذاتی حیثیت کے لحاظ سے حکم شرعی، اور ایک نسبتی حیثیت یعنی ایمان واسلام کی نسبت سے خاص شرعی حکم۔نسبت کے سبب وارد ہونے والا حکم سخت ہوگا۔کسی صحابی کی ذاتی حیثیت کے اعتبار سے حکم شرعی اور پھر صحبت نبوی کے سبب خاص حکم شرعی، مثلاً کسی صحابی کی توہین کرنے کا حکم الگ ہوگا، اور صحابی رسول ہونے کی حیثیت سے ان کی توہین کا حکم الگ ہوگا۔

"مومن بہ" کے حکم میں دو حیثیت ملحوظ نہیں ہوگی، مثلاً ایک حکم نبی ہونے کے اعتبار سے ہو، اور ایک حکم محض انسان ہونے کے اعتبار سے ہو۔وہاں ان کی حیثیت خاصہ ہی کا لحاظ ہوگا، اور حکم میں

سختی ہوگی۔ ان کی بے ادبی، ایذا، بدگوئی، ان پر ظلم، ان کا قتل وغیرہ تمام امور میں ان کو نبی کی حیثیت سے ملحوظ کرکے مجرم پر حکم عائد ہوگا۔

(6) حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام بنی آدم میں سب سے افضل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے بعد سب سے افضل حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ توہین و بے ادبی سے بڑا جرم قتل ہے۔ سوال یہ ہے کہ قاتلین خلیفہ سوم، مومن ہیں یا کافر؟ اہل سنت و جماعت سے خارج ہیں یا داخل ہیں اور محض گنہ گار و مرتکب حرام؟

(7) بعض قول کے مطابق خواص بشر خواص ملائکہ وعوام ملائکہ سے افضل ہیں اور عوام بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں، یعنی حضرات انبیاومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام، مرسلین ملائکہ علیہم السلام ودیگر ملائکہ سے افضل ہیں، اور غیر نبی بشر، غیر مرسل ملائکہ سے افضل ہیں، اس اعتبار سے حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم عام ملائکہ (غیر مرسل ملائکہ) سے افضل ہوئے۔ اس افضلیت کے باوجود کسی صحابی یا صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توہین کفر نہیں اور فرشتہ کی توہین کفر ہوگی، کیوں کہ وہ ''مومن بہ'' ہیں۔ مومن بہ اور مومن کے احکام میں فرق ہے۔

مذکورہ بالا سوالات اس لیے مرقوم ہوئے کہ فکر روافض اہل سنت وجماعت میں داخل ہوتی جارہی ہے، اور فکر رافضیت کی بنیاد محبت میں غلو اور اتباع نفس پر ہے۔ اسی غلو ونفس پرستی کے سبب وہ کفر وگمرہی میں مبتلا ہوئے۔ یہ لوگ حضرات اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں سے بعض نفوس قدسیہ کو حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر فضیلت دینے لگے۔ نفس پرستی ایسی عام کہ شرعی احکام کا بھی کچھ پاس ولحاظ ہی نہیں۔

مذکورہ بالا سوالوں کے جواب میں ارباب فضل وکمال کے جو مراتب مذہب اسلام میں مقرر ہیں، ان سے آشنائی ہوگی، اور اتباع نفس سے نجات کی راہیں معلوم ہوں گی۔ ہم محکوم ہیں۔ اپنی مرضی اور اپنی پسند کے اعتبار سے کوئی حکم کسی کے لیے متعین نہیں کرسکتے۔ جو حکم اسلام نے دیا ہے، اسی پر کاربند رہنا ہمارے لیے لازم ہے۔

وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم ::والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم ::وآلہ العظیم

□□□

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا پیغام امن وانسانیت

صاحبزادہ مولانا محب اللہ نوری
شیخ الحدیث وپرنسپل دارالعلوم حنفیہ فریدیہ

عالم انسانیت کے فلک پر کفر وظلمت کے دبیز بادل چھا چکے تھے--- جہالت وگمراہی کا دور دورہ تھا--- شرافت ودیانت عنقا تھی--- بدی کا عروج اور اچھائی کا وجود ناپید تھا--- دنیا بھر میں امن وسکون غارت ہو چکا تھا--- بھائی بھائی کے خون کا پیاسا تھا--- ہر قبیلہ دوسرے قبیلے سے برسرِ پیکار تھا--- ہر علاقہ دوسرے علاقے سے جنگ آزما تھا--- بات بات پر تلواریں نیاموں سے باہر نکل آتیں--- ایک بار جنگ کی آگ سلگ اٹھتی تو صدیوں تک اس کے شعلے بھڑکتے رہتے--- غیرتِ انسانی مردہ ہو چکی تھی--- کسی کی جان، مال اور عزت وآبرو محفوظ نہ تھی اور پوری دنیا "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ"[1] کا ایک عبرت ناک مرقع بن چکی تھی---

غرض یہ کہ انسانیت در بدر ٹھوکریں کھاتی پھر رہی تھیں کہ اسے سہارا مل جائے--- آدمیت اندھیروں میں بھٹک رہی تھی کہ اسے ہدایت کی روشنی نصیب ہو--- تا آں کہ رحمتِ الٰہی جوش میں آئی--- دنیا والوں کی قسمت جاگ اٹھی اور پیغمبر اسلام ﷺ صلح وآشتی اور امن وسلامتی کا پیغام لے کر مبعوث ہوئے--- جن کے وجود باجود کی برکت سے ظلمت وجہالت کے اندھیرے گھٹنے لگے--- اخلاقی پستیوں کے بادل چھٹنے لگے--- جبر واستبداد کے طوق وسلاسل کٹنے لگے--- اور--- دنیا امن وسلامتی کا گہوارہ بن گئی---

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وساطت سے اللہ رب العزت نے بنی نوع انسان کو اس کی فلاح وبہبود کے لیے قیامت تک کے لیے جو مکمل ضابطہ حیات دیا، اس کا نام اسلام ہے--- اسلام کے معنی ہی امن وسلامتی اور صلح وآشتی کے ہیں--- یہ دین فطرت ہے--- یہ دین فرد ہے--- یہ دین جماعت ہے--- یہ افراد سے لے کر اقوام تک کو فطرت کی راہ پر گامزن کرنا چاہتا ہے--- یہ نقیب ہے محبت اور اخوت کا--- اس کا مقصد ہی دنیا سے فتنہ وفساد اور جنگ وجدال کو مٹا کر امن وامان کی فضا پیدا کرنا ہے---

اس مقصد کے لیے پیغمبر اسلام ﷺ نے جو نظام مرتب کیا، اس میں یک جہتی، ہم آہنگی اور امن وسلامتی کا پیغام اس انداز سے دیا گیا ہے کہ افراد میں انفرادی ذمہ داری کے شدید احساس کے ساتھ ساتھ باہمی اتحاد واتفاق کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے--- پھر ان افراد کو ہمہ وقت امن وسلامتی کے علم بردار ہونے کا احساس دلانے کے لیے انہیں بار بار 'يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا' (یعنی اے امن والو!) کے باوقار خطاب سے نواز کر 'خلیفۃ اللہ علی الارض' ہونے کا اعزاز برقرار رکھنے پر آمادہ رکھا جاتا ہے---

امن بین المسلمین:

رحمۃ للعالمین آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں کو امن وسلامتی کے فروغ کے لیے باہمی ملاقات کے وقت خندہ پیشانی سے ملنے کا حکم دیا--- ارشاد فرمایا:

كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ، وَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ---[۲]

''ہر بھلائی صدقہ ہے اور اپنے بھائی سے خندہ روئی سے ملاقات کرنا بھی بھلائی ہے''---

بوقت ملاقات سب سے پہلے جو کلمہ منہ سے نکلے، وہ محبت اور امن وسلامتی کا پیغام ہو، جسے شریعت نے السلام علیکم ''تم پر سلامتی ہو'' کے لفظوں سے ترتیب دیا ہے--- ہزار اختلاف اور بے گانگی کے باوجود جب دو زبانوں سے یہ الفاظ نکلتے ہیں تو دونوں اپنے سینوں میں آشنائی

کی ایک لہر پاتے ہیں---ایک دوسرے کو اپنی طرف سے لڑائی نہ کرنے کا یقین دلاتے ہیں اور امن وسلامتی کی دعا کرتے ہیں---

چناں چہ سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بایں الفاظ اس کی ترغیب دلائی:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰی اَمْرٍ اِذَا اَنْتُمْ فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَكُمْ---[۳]

''مجھے قسم ہے اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اس وقت تک تم جنت میں داخل نہ ہوسکو گے جب تک ایمان نہ لے آؤ اور اس وقت تک ایمان نہ لاؤ گے جب تک آپس میں محبت نہ کرو---میں تمھیں ایک ایسی بات نہ بتاؤں کہ جب تم اس پر عمل کرو گے تو باہم محبت کرنے لگو گے اور وہ یہ ہے کہ باہم سلام کو پھیلاؤ''---

تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر کرنے سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ انسانوں کے لیے بالعموم اور اہل اسلام کے لیے بالخصوص باہمی اخوت ومودّت کے حوالے سے کئی طریقوں سے (مختلف پیرائے میں) مسلسل یہ احساس دلاتے رہتے کہ اے مسلمان، اے بندۂ مؤمن! تو امن وسلامتی کا پیکر ہے---اخوت والفت تیری فطرت میں داخل ہے اور صلح پسندی ہی میں تیرے ایمان واسلام کی حقیقت پنہاں ہے---اگر یہ نہ ہو تو تیرے ایمان واسلام اور دعویٰ مسلمانی کی نفی لازم آئے گی---چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَیَدِهٖ---[۴]

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں''---

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام میں خطبہ دیا، جس میں ایمان داروں کو تقویٰ کی وصیت کی اور ان کے لیے امن سے رہنے کی دعا خیر فرمائی، پھر فرمایا:

''دیکھو! اللہ تعالیٰ کی بستیوں میں اس کے بندوں کے درمیان تکبر وسرکشی کی روش اختیار نہ کرنا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اور تمھیں فرمایا ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ---[۵]

''یہ آخرت کا گھر ہے، اسے ہم ان لوگوں کے لیے خاص کریں گے جو زمین میں سرکشی اور فساد مچانے کی نیت نہ رکھتے ہوں (یعنی امن وسلامتی کے علم بردار ہوں) اور عاقبت کی کامیابی تو ہے ہی متقین کے لیے''---

امن بین الناس:

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرے کی فضا کو پر امن اور پر کیف بنانے کے لیے ہر بیگانے اور یگانے کے ساتھ حسن سلوک کا درس دیا---اس سلسلے میں قرآن کریم کی یہ واضح ہدایت موجود ہے:

وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا---[۶]

''لوگوں سے اچھی بات کہو''---

لوگوں سے اچھی بات کہنا اور اچھائی سے پیش آنا انسانیت کا فرض ہے، جس میں کسی دین ومذہب کی کوئی تخصیص نہیں---فرمایا:

مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ---[۷]

''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا''---

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر اُسے روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ---[۸]

''تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا''---

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

یہ حدیث قیام امن کے سلسلے میں رحمۃ للعالمین A کی تعلیم کو کتنی عمومیت کے ساتھ ظاہر کرتی ہے، اس پر مزید وضاحت کی گنجائش نہیں---

مسند امام احمد میں ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطاب فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ---[۹]

''تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوگا جب تک وہ اوروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے''---

اسی مفہوم کو آپ ﷺ نے ایک بار یوں بیان فرمایا:

أَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِماً---[۱۰]

''الناس'' کی عمومیت میں تمام انسان داخل ہیں، گویا جب تک سارے انسانوں کی بھلائی کا جذبہ پیدا نہ ہو انسان پورا مسلمان نہیں بنتا---

عورتوں کے حقوق کا تحفظ:

انسانی معاشرے کی خشتِ اوّل گھر کی چار دیواری ہے، اگر گھر کا ماحول صحت مند ہو تو سارا معاشرہ صحت مند اور خوش حال ہوگا اور اگر یہ گندہ اور پراگندہ ہے تو سارا معاشرہ بیمار و نزار ہوگا--- پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنی پاکیزہ تعلیمات کے ذریعے ایسے اصول وضع فرمائے جن پر عمل پیرا ہو کر گھر جنت ارضی بنایا جاسکتا ہے کہ اس کے در و دیوار محبت و وفا کی خوش بو سے مہکتے رہیں اور اطمینان و سکون ابر کرم بن کر اس کے آنگن پر برستا رہے---

اس مقصد کے حصول کے لیے محسنِ انسانیت ﷺ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا--- حجۃ الوداع کے اہم خطبہ میں آپ نے عورتوں کے حقوق کے تحفظ کا حکم دیا:

أَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا---[۱۱]

''اے لوگو! تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے''---

تمہارا حق عورتوں پر اتنا ہے کہ وہ تمہارے بستر پر غیر کو (جن کا آنا تمہیں ناگوار ہو) نہ آنے دیں، عورتوں کا تم پر حق یہ ہے کہ تم انہیں اچھی طرح کھلاؤ اور پہناؤ---

وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا---[۱۲]

''عورتوں سے بہتری اور بھلائی کا سلوک کرنا''

فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ---[۱۳]

''عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا''---

اس سلسلے میں رحمۃ للعالمین ﷺ کا ایک اور جامع ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَ أَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي---[۱۴]

''یعنی تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے (حسن عمل کی بنا پر سراپا) خیر ہو اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل خانہ کے لیے بہترین ہوں''---

محسنِ اعظم نے گھر کی فضا ہی کو سازگار بنانے کا حکم نہ دیا بلکہ معاشرے کے تمام افراد سے حسن سلوک کا درس دے کر امن عامہ کا وسیع تر تصور عطا فرمایا--- چنانچہ آپ ﷺ نے والدین، اولاد، میاں بیوی، رشتہ داروں، دوستوں، اجنبیوں، پڑوسیوں، مہمانوں، مسافروں، بے کسوں، بیماروں، امیروں، غریبوں، حاکموں، محکوموں، مالکوں، مزدوروں، استاذوں، شاگردوں، بیواؤں، یتیموں، غلاموں، خادماؤں اور ذمیوں بلکہ ایک ایک نوع اور ایک ایک طبقہ کے لیے فرائض وحقوق کی روشن سرحدیں متعین فرمادیں---

قانون کی بالادستی:

معاشرے میں امن وسلامتی کا ایک بڑا ذریعہ عدل وانصاف اور قانون کی بالادستی ہے--- آپ ﷺ نے قوانین کی بالادستی قائم رکھنے کے لیے بڑی سے بڑی سفارش کو بھی ٹھکرادیا--- مثلاً قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت جس کا نام فاطمہ تھا، چوری کے جرم میں ماخوذ ہوئی تو قریش نے حضرت اسامہ بن زید کے ذریعے حضور ﷺ کے پاس سفارش کرائی، باوجود اس بات کے کہ حضرت اسامہ کو آپ ﷺ بہت عزیز رکھتے تھے--- جب انہوں نے سفارش کی تو آپ ﷺ نے ان سے سخت ناراضی کا اظہار فرمایا، یہاں تک کہ لوگوں کو جمع کر کے فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا ضَلَّ مَنْ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَ إِذَا سَرَقَ الضَّعِيْفُ فِيهِمْ أَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ يَدَهَا---[۱۵]

''اے لوگو! تم سے پہلی قومیں اس لیے ہلاک ہوگئیں کہ

ان میں سے جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے لیکن چھوٹا آدمی جرم کرتا تو اسے سزا دے دیتے---سن لو! خدا کی قسم اگر (بفرضِ محال) محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی، تو اس کے ہاتھ بھی ضرور کاٹ دیے جاتے''---

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَقِيمُوا حُدُودَ اللهِ فِي الْقَرِيبِ وَ الْبَعِيدِ وَ لَا تَأْخُذْكُمْ فِي اللهِ لَوْمَةُ لَائِمٍ---[۱۶]

''اللہ کے مقرر کردہ قوانین دور و نزدیک، رشتہ دار اور غیر رشتہ دار، قوی و ضعیف سب پر یکساں جاری کرو اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہ کرو''---

ان الفاظ میں ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتا دیا کہ قانون کے معاملے میں رشتہ دار، حتی کہ اولاد جیسی عزیز شے بھی کسی امتیازی رعایت کی مستحق نہیں---گویا اسلام میں قانون کی بالادستی کے ذریعے امن کی خوش بو کو عام کیا جانا ازبس ضروری ہے، چاہے اس کے عوض بڑی سے بڑی محبت اور بڑے سے بڑے تعلق کو بھی قربان کیوں نہ کرنا پڑے---

بدامنی کی مذمت:

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں امن اور سلامتی کی تعلیم دی، وہیں فساد اور بدامنی کی مذمت فرمائی، ارشادِ ربانی ہے:

وَاللهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ○---[۱۷]

''اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا''---

سورۃ القصص میں فرمایا:

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ---[۱۸]

''زمین میں فساد نہ پھیلاؤ''---

سورۃ المائدہ میں فرمایا:

وَاللهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ○---[۱۹]

''اللہ فساد پھیلانے والوں کو ناپسند کرتا ہے''---

ظلم و فساد کا ایک بڑا سبب نسل پرستی، فرقہ و گروہ پرستی اور وطن پرستی ہے---کوئی قوم یا فرقہ جب جغرافیائی، نسلی، علاقائی، لسانی یا فرقہ وارانہ بنیادوں پر خود کو معزز و برتر اور دوسروں کو ذلیل و فروتر سمجھنے لگے تو نفرتیں جنم لیتی ہیں، عداوتیں بھڑک اٹھتی ہیں اور احساسِ محرومی کا شکار ہونے والے سرکشی و بغاوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں معاشرہ کا امن و سکون درہم برہم ہو کر رہ جاتا ہے---

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کو ان تباہ کاریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے رنگ، وطن، نسل، قوم اور زبان کے تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا اور فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَ إِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ وَ دِينَكُمْ وَاحِدٌ وَ نَبِيَّكُمْ وَاحِدٌ لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوَى---[۲۰]

''اے لوگو! تمہارا رب ایک، تمہارا باپ ایک، تمہارا دین ایک اور تمہارا نبی ایک، لہٰذا کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر فضیلت ہے، فضیلت کا معیار تو صرف پرہیزگاری ہے''---

قرآن کریم کے الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَ أُنْثَى وَ جَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ---[۲۱]

''اے انسانو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو قبیلہ اور خاندان صرف اس لیے بنا دیا تاکہ تم آپس میں پہچان رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے''---

پھر آپ نے تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی کا رتبہ دیا اور یہ پیغام ملا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ---[۲۲]

''تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں''---

یہ تھا حقوقِ انسانی کا وہ منشور، جس نے کالے، گورے، عربی، ترکی، تاتاری، زنگی اور فرنگی کا فرق اٹھا دیا اور اونچ نیچ کی تمام لعنتوں کو ملیامیٹ کر کے انسانوں کے خود ساختہ گھمنڈ کو پاؤں تلے روند ڈالا اور جو پامالِ جفا تھے، انہیں مسندِ شرف پہ بٹھایا---

انسانی خون کا احترام:

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل وغارت اور فساد وخون ریزی کی روک تھام کے لیے خون انسانیت کے احترام پر غیر معمولی زور دیا ہے--- حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے بلیغ خطبہ میں ارشاد فرمایا:

إِنَّ دِمَائَكُمْ وَ أَمْوَالَكُمْ وَ أَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا . فِيْ شَهْرِكُمْ هٰذَا . فِيْ بَلَدِكُمْ هٰذَا ---

’’لوگو! تمہارے خون، مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئی ہیں، ہمیشہ کے لیے ان چیزوں کی حرمت ایسی ہے، جیسی آج تمہارے اس دن کی، اس ماہ مبارک (ذوالحجہ) کی اور تمہارے اس شہر (مکہ) کی‘‘---

أَلَا فَلَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ ضُلَّالًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ---[۲۳]

’’خبردار میرے بعد گمراہ نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹنے لگو‘‘---

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خون مسلم کی اہمیت وعظمت کو اس طرح بیان فرمایا:

لَزَوَالُ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ قَتْلِ مُسْلِمٍ---[۲۴]

’’کسی مسلمان کے قتل کے مقابلے میں پوری دنیا کا زوال خدا کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا‘‘---

امت مسلمہ کی کتنی بڑی بدنصیبی اور کتنا بڑا المیہ ہے کہ وہ اپنے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پاکیزہ تعلیمات کو جو کہ اس کی فلاح وکامرانی کی یقینی ضمانت اور مضبوط بنیاد فراہم کرتی ہیں، انہیں فراموش کر کے اتحاد کی بجائے فساد وزوال کا نشان عبرت بن چکی ہے---

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک صرف مسلمان ہی کا خون محترم نہیں بلکہ خدا کے ہر بندے کا خون محترم ہے--- چناں چہ اگر کسی مسلمان کے ہاتھ سے غیر مسلم کا خون ناحق قصداً ہو جائے تو اس پر جنت حرام ہونے کی وعید سنائی---

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَ إِنَّ رِيْحَهَا تُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ أَرْبَعِيْنَ عَامًا---[۲۵]

’’جس نے کسی زیر معاہدہ غیر مسلم کو قتل کیا، وہ جنت کی خوش بو بھی نہ سونگھنے پائے گا، حالانکہ بہشت کی خوش بو چالیس سال کی مسافت سے آنے لگتی ہے‘‘---

انسانی خون کی حرمت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا---[۲۶]

’’جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے (جملہ انسانیت) سب لوگوں کو قتل کیا‘‘---

اسلامی جنگوں کا فلسفہ:

یہاں یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ جب کوئی فریق امن وسکون کو غارت کرے، خون ریزی اور فساد برپا کرے اور بار بار کی تبلیغ وتنبیہ کے باوجود باز نہ آئے تو پھر دفع فساد کے لیے اس سے لڑنا اور جنگ کرنا بھی قیام امن ہی کی ایک صورت ہے--- کیوں کہ دنیا میں فتنہ پرور اپنی خصلت سے مجبور ہیں، ان کا علاج جنگ وجہاد کے سوا کچھ نہیں--- اسی لیے اسلام کو جو امن، انصاف اور اخوت کا دین ہے، قیام امن کے لیے کئی جنگیں لڑنا پڑیں----

عہد نبوی C کے غزوات وسرایا کی تعداد بیاسی ہے، جن میں سے انیس میں آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی--- ان جنگوں میں مسلمانوں اور فریق مخالف کے مقتولین کی مجموعی تعداد ایک ہزار اٹھارہ ہے، گویا ایک جنگ میں اوسطاً تقریباً بارہ افراد کام آئے[۲۷] اس مجموعی تعداد پر بنظر انصاف غور کیا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ مدافعتی جنگیں قتل وغارت گری کے انسداد اور وسیع تر امن کی بحالی کی کوششیں تھیں--- اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد اب ایک نظر آج کی مہذب بیسویں صدی کی جنگوں پر ڈال کر دیکھیں تو تباہی اور قتل وغارت کا ہول ناک نقشہ سامنے آتا ہے--- صرف ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم میں تہتر لاکھ اڑتیس ہزار افراد لقمۂ اجل

بنے---[۲۸] اسی طرح ہیروشیما میں ایٹم بم کی تباہ کاریاں اور (روسی حملے کے نتیجے میں) افغانستان کی حالیہ جنگ کی ہولناکیاں سب کے سامنے ہیں---کشمیر، بوسنیا اور فلسطین میں وحشت و بربریت کے نئے ریکارڈ بن رہے ہیں---عقوبت خانوں اور جیلوں میں نوجوانوں کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کیا جا رہا ہے---خواتین کی عصمت پامال ہو رہی ہے---صومالیہ، لیبیا اور عراق کی اقتصادی و معاشی ناکہ بندی سے انسانیت سسک رہی ہے---[۲۹]

دور حاضر کی جنگوں میں انسانی آبادیوں پر پے در پے حملے کیے جاتے ہیں، جس سے عام شہریوں کے علاوہ ان گنت عورتیں، بچے، بوڑھے اور بیمار نشانۂ ستم بنتے ہیں---اس کے برعکس اسلام نے اوّلاً تو ان تمام محرکاتِ جنگ کا قلع قمع کر دیا جو جاہلیت کا عطیہ تھے اور آج بھی کسی نہ کسی صورت میں وجہ فساد ہیں، مثلاً شوقِ غنیمت، جذبۂ تفاخر، حصولِ انتقام وغیرہ---مزید برآں حضور ﷺ نے امت مسلمہ کو یہ ہدایات دے رکھی ہیں کہ بعض ناگزیر حالات میں اگر جنگ کرنا پڑے تو بلا وجہ حملہ میں پہل نہ کرو---ضعیفوں، عورتوں، بچوں اور غلاموں کو قطعی طور پر قتل نہ کیا جائے---دشمن کے علاقہ میں حب کران کی کھیتیوں اور املاک کو نقصان نہ پہنچایا جائے---گھروں میں بیٹھے رہنے والوں کو مکمل امان دی جائے اور اسیروں کے ساتھ ناروا سلوک نہ کیا جائے---

اسلامی جنگوں کا فلسفہ قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ---[۳۰]

"اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں میں بعض کو بعض کے ذریعے نہ ہٹا دیتا تو ضرور گرا دی جاتیں راہبوں کی خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں، جن میں اللہ کا بکثرت نام لیا جاتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبے والا ہے"---

اس آیت سے واضح ہوا کہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس لیے دی گئی کہ وہ جملہ مذاہب کی آزادی کو قائم کر دیں اور بدامنی کو دور کر دیں---پھر پارسیوں، عیسائیوں، یہودیوں کی عبادت گاہوں اور مسلمانوں کی مسجدوں کو کوئی شخص نہ گرا سکے---

حق و باطل اور خیر و شر کے اس میدان کارزار میں امن کی خواہش کرنے سے امن حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسرا گال پیش کرنے سے فتنہ رک سکتا ہے---انسان کی سرشت ہی میں شر کا پہلو موجود ہے، اسی لیے فرشتوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی تھی کہ یہ زمین کے انتظام کو بگاڑے گا اور آپس میں خون ریزی کرے گا---تعلیماتِ نبوی کا سب سے بڑا منشا یہ ہے کہ نفس انسان کی اس حد تک اصلاح ہو جائے کہ دنیا میں امن و امان قائم ہو، شر کو ابھرنے کا موقع نہ ملے اور خیر ہی خیر نظر آئے---اس کے لیے آپ ﷺ کا طریقہ کار یہ رہا کہ تبلیغ ان کے لیے جن کے قلب میں خیر کی ذرّہ بھر بھی چنگاری ہے اور جہاد ان کے خلاف جن کے قلب میں شر ہی شر ہے اور وہ شمشیر کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں سمجھتے---

چنانچہ حضور ﷺ کی جنگوں میں شرکت کی مثال اس جراح کی سی ہے جو ہاتھ میں نشتر لے کر آپریشن کی میز پر مریض کی صحت بحال کرنے کی غرض سے جاتا ہے---

امن عامہ کی ضامن اخلاقی تعلیمات:

پیغمبر اسلام ﷺ نے اپنے پیغامات میں امن و سلامتی کا باعث بننے والے کاموں کا حکم دیا اور ان تمام امور سے منع فرمایا جو معاشرے میں بدامنی، افراتفری اور فساد کا موجب ہوں---چنانچہ کتب احادیث میں سچائی، دیانت و امانت، عفت و پاکبازی، شرم و حیا، رحم و کرم، عدل و انصاف، عفو و درگزر، حلم و بردباری، تواضع و خاکساری، خوش کلامی، رفق و لطف، ایثار، احسان، اعتدال اور میانہ روی کے فضائل بیان ہوئے---بلاشبہ ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے سے دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے---

اسی طرح آپ ﷺ نے جھوٹ، وعدہ خلافی، خیانت، بددیانتی، غداری، دغابازی، چغل خوری، بہتان، غیبت، بدگوئی، دورخاپن، بدگمانی، بے ایمانی، حرص و طمع، چوری، ناپ تول میں کمی بیشی، رشوت، سودخوری، شراب نوشی، ظلم و ستم، فخر و غرور، غیظ و غضب، بغض و کینہ، حسد اور فحش گوئی وغیرہ امور جو فتنے فساد اور لڑائی کا سبب بنتے ہیں، تمام کی سخت مذمت بیان فرمائی اور ان سے بچنے کی تاکید کی---

بالعموم لڑائی کا آغاز گالی سے ہوتا ہے---آپ ﷺ نے فرمایا:

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَ قِتَالُهٗ

کُفر ٌ---[۳۱]

''مسلمان کو برا بھلا کہنا گناہ اور اسے قتل کرنا کفر ہے''

اسی طرح ایک اور حدیث پاک میں انسانی برادری کا وہ نقشہ کھینچا ہے جس پر سچائی سے عمل کیا جائے تو شر اور فساد سے بھری ہوئی دنیا دفعتاً جنت نظیر بن جائے---فرمایا:

لَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَ كُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا---[۳۲]

''آپس میں ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو اور سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ''---

قیامِ امن کے لیے پیغمبرِ امن کی عملی جدوجہد:

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ زبانی طور پر امن کا پیغام دیا بلکہ عملی طور پر پیغمبر امن ہونے کا ثبوت دیا---جب آپ عنفوان شباب سے گزر رہے تھے تو آپ نے قیام امن کے سلسلے میں حلف الفضول نامی ایک معاہدہ میں شرکت فرمائی، جو آپ کے تایا زبیر بن عبدالمطلب کی کوششوں سے ہوا تھا---اس معاہدے کے بنیادی مقاصد میں بدامنی کا خاتمہ، مسافروں کی حفاظت اور ظلم وستم کی روک تھام وغیرہ امور شامل تھے---[۳۳]

افسوس کہ جاہلیت کی جنگ جو طبیعتوں نے اس معاہدہ کو پروان نہ چڑھنے دیا---حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے، اگر آج بھی کوئی اس مجلس کے نام سے کسی کو مدد کے لیے بلائے تو میں سب سے پہلے اس کی امداد کے لیے تیار ہوں گا---

مصلحِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس برس تھی جب قریش نے کعبہ کی عمارت از سرِ نو تعمیر کی---حجر اسود کی تنصیب کے سلسلے میں سردارانِ قریش میں سخت اختلاف رونما ہوا---ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ یہ کام اسی کے ہاتھوں انجام پائے---چار دن تک برابر یہ جھگڑا جاری رہا---آخر یہ رائے قرار پائی کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرم میں آئے گا، اس کا فیصلہ سب کے لیے قابل قبول ہوگا---چنانچہ سب سے پہلے حرم میں داخل ہونے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے---آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حسن تدبر سے اس پیچیدہ مسئلے کو ایسا سلجھایا کہ سب خوش ہو گئے اور لوگ خون خرابہ سے بچ گئے---[۳۴]

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پاک میں تشریف لائے تو پہلے سال ہی ایک بین الاقوامی معاہدۂ امن کی داغ بیل ڈالی، جو میثاقِ مدینہ کے نام سے مشہور ہے---یہ اسلامی ریاست کا پہلا آئین تھا، جس میں ہر طبقے کے سیاسی اور معاشرتی حقوق متعین کر دیے گئے تھے---تاریخ شاہد ہے کہ یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور تھا، جسے پڑھ کر یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں امن و امان قائم کرنے کے لیے تشریف لائے تھے---

اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان رشتۂ مواخات قائم کرایا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فیضان کرم تھا کہ قبیلہ بنو نضیر اور بنو خزرج کے افراد اور دیگر قبائل جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، آپس میں بھائی بھائی بن گئے---رب العزت نے اس نعمت عظمیٰ کی یاد یوں دلائی:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ إِخْوَانًا---[۳۵]

''اور یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جو تم پر ہوئی کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم بفضل ربانی بھائی بھائی بن گئے''---

اسی نکتہ کی طرف حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے اشارہ کیا ہے:

یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی

اسی طرح صلح حدیبیہ، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امن پسندی کا واضح ثبوت ہے---اس میں بعض شرائط ایسی تھیں کہ مسلمانوں کا پہلو کمزور نظر آتا تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امن وامان کے قیام کے لیے تمام شرائط قبول کر لیں---

جانی دشمنوں سے حسن سلوک:

فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عام معافی کا اعلان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امن پسندی کا بہت بڑا ثبوت ہے---مکہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمنوں اور مخالفین اسلام کا گڑھ تھا، یہاں وہ لوگ آباد تھے، جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھائے تھے---

آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے جان نثار ساتھیوں کو طرح طرح کی اذیتیں دیں--- تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رکھا--- آپ ﷺ کے قتل کے منصوبے بنائے--- جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو یہاں بھی بار بار حملہ آور ہوئے--- فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہ h کا قاتل وحشی، ان کا کلیجہ چبانے والی ہندہ اور ان ہی جیسے سیکڑوں دشمنان اسلام شہر میں موجود تھے--- حضور ﷺ ان سے ایک ایک بدی کا بدلہ چکانے پر قادر تھے--- قدرتِ انتقام کے باوجود پیغمبر امن ﷺ نے مجمع عام میں فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْم---

''آج کے دن تم پر کوئی گرفت نہیں''---

اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ---[۳۶]

''جاؤ تم سب آزاد ہو''---

تاریخ عالم عفو و درگزر اور رحم و کرم کی ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے---

پیغمبرِ امن:

پیغمبر اسلام ﷺ سے زیادہ امن کا پیغام دینے والا اور کون ہو سکتا ہے، جن کا لقب ہی رحمۃ للعالمین ہے--- وہ عبداللہ کے بیٹے ہیں، عبودیت آپ ﷺ کے خون میں شامل ہے--- والدہ ماجدہ ''آمنہ'' ہیں، گویا امن کے شکم میں حضور ﷺ نے پرورش پائی--- دایہ کا نام ''حلیمہ'' ہے، حلم و بردباری کا دودھ حضور ﷺ نے پیا--- مکہ میں آپ ﷺ کی ولادت ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اسے بلد امین کہہ کر پکارا--- کعبہ آپ ﷺ کا قبلہ تھا، اسے امن کا گھر بنا دیا:

مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا---[۳۷]

عرب والوں نے آپ ﷺ کو امین کا لقب دیا کہ آپ ﷺ امانت دار بھی تھے اور امن کے علم بردار بھی---

حرفِ آخر:

سطور بالا میں اسلام کے پیغام امن پر نہایت اجمال اور اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے، جس سے اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں کہ صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس کے سائے تلے امن عالم کا خواب حقیقت کے روپ میں نمودار ہو سکتا ہے اور امام الانبیاء، ختم الرسل ﷺ ہی کی وہ ذات گرامی ہے جن کی تعلیمات، رنگ و نسل کے اختلاف اور لسانی، جغرافیائی، امتیازات کے بغیر اہل عالم کو امن کی چادر مہیا کر سکتی ہیں--- بلا شبہ اقوام متحدہ کے منشور میں انسانی جان و مال کے تحفظ اور فساد فی الارض کو روکنے کے لیے جو بھی مثبت نکات درج ہیں، وہ سب تعلیمات مصطفوی c سے مستعار لیے گئے ہیں--- یہ الگ بات ہے کہ اب یہ ادارہ اپنے بنیادی مقاصد سے ہٹ کر صہیونی اور طاغوتی طاقتوں کے مفادات کا چوکیدار بن کر رہ گیا ہے اور امن قائم کرنے کے بجائے فساد فی الارض کا سبب بن رہا ہے--- امن عالم کی ٹھیکیدار اقوام اب دوہرے معیارات رکھتی ہیں--- کویت میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر تڑپ کر رہ جانے والی طاقتوں کو کشمیر میں ہونے والا فساد دکھائی دیتا ہے اور نہ بوسنیا میں خون کی ہولی دکھائی دیتی ہے--- جس پاکستان کے ذریعے روسی جارحیت کے خلاف مسلح جدو جہد کی عملی حوصلہ افزائی کی جاتی رہی، اب وہی پاکستان کشمیریوں کی محض اخلاقی و سیاسی امداد کی وجہ سے دہشت گرد دکھائی دے رہا ہے--- مگر جیسا کہ ہم نے گزشتہ صفحات میں جائزہ لیا، اسلام اس انداز کے دوغلے پن پر یقین نہیں رکھتا--- وہ تمام انسانوں کے لیے یکساں طور پر پیغام امن ہے، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ گزشتہ کچھ عرصہ سے مسلمان بھی نسلی، لسانی اور فرقہ وارانہ جھگڑوں میں ایک دوسرے کی گردنیں ناپنے لگے ہیں--- جس سے عالمی سطح پر مسلمانوں کی رسوائی ہو رہی ہے--- افغانستان کا مناقشہ ابھی حل نہیں ہوا تھا کہ یمن میں دو دھڑوں کی مسلح کارروائی نے جگ ہنسائی کا موقع فراہم کر دیا--- دیگر مسلمان ملکوں کی ان نازیبا حرکتوں کا ہم کیا ذکر کریں، خود ہمارے ملک میں اب وسیع پیمانے پر مسلح گروہ خون مسلم کی ارزانی کا سبب بن رہے ہیں، نتیجہ یہ کہ ہم کمزور سے کمزور تر ہوتے جا رہے ہیں--- کچھ عرصے سے فرقہ واریت کا جو سیلاب آیا ہوا ہے اور ہماری عبادت گاہیں جس انداز میں میدان جنگ کا نقشہ پیش کر رہی ہیں، اس سے ہم خود ہی انسانیت کے محسن اعظم ﷺ کے پیغام امن کی نفی کر رہے ہیں--- رحمت کائنات ﷺ کے پیروکار کی بالعموم اور مذہبی تنظیموں اور دینی مبلغین کی بالخصوص یہ منفی روش، اسلام کے فکر و عمل سے کھلے انحراف اور تصادم کے مترادف ہے--- اس وقت اپنے ہی ہاتھوں تباہی و بربادی کے اس عمل سے جلد از جلد چھٹکارا پانے کو اوّلین اجتماعی مقصد قرار دے کر اس کے لیے ٹھوس منصوبہ بندی اور عملی پیش رفت علمائے کرام،

مشائخ عظام اور حکومت کی مشترکہ ذمہ داری ہے---

رب کریم مد ہم پر کرم فرمائے اور اپنے محبوب رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہمیں اپنے فرائض پہچاننے اور ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے---

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم

حوالہ جات

۱......سورۃ الروم، آیت ۲۱
۲......محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، مجتبائی دہلی، جلد ۲، صفحہ ۱۹
۳......ایضاً، جلد ۲، صفحہ ۹۳
۴......محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری/ اصح المطابع، دہلی، جلد ۱، صفحہ ۹
۵......محمد بن عبدالباقی زرقانی، زرقانی علی المواہب، ازہریہ مصر، جلد ۸، صفحہ ۲۶۹
۶......سورۃ البقرۃ، آیت ۸۳
۷......صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۸۸۹
۸......جامع ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۱۴
۹......ابوعبداللہ احمد بن محمد حنبل، مسند امام احمد، دار صادر بیروت، جلد ۳، صفحہ ۲۷۲
۱۰......جامع ترمذی، جلد ۲، صفحہ ۵۴ / علامہ احمد بن محمد قسطلانی، ارشاد الساری، بولاق مصر، جلد ۱، صفحہ ۱۱۲ / ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، اصح المطابع کراچی، صفحہ ۱۳۲ (تمکن مومنا)
۱۱......جامع ترمذی، باب حق المراۃ علی زوجہا،
۱۲......ابومحمد عبدالملک بن ہشام، سیرت ابن ہشام، الازہر، مصر، جلد ۲، صفحہ ۳۹۰
۱۳......مسلم بن حجاج قشیری، صحیح مسلم، اصح المطابع کراچی، جلد ۱، صفحہ ۳۹۷
۱۴......سنن ابن ماجہ، صفحہ ۱۳۲
۱۵......صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۶۱۶، ۱۰۰۳ / سنن ابن ماجہ، صفحہ ۱۸۶
۱۶......سنن ابن ماجہ، صفحہ ۱۸۴
۱۷......سورۃ البقرۃ، آیت ۲۰۵
۱۸......سورۃ القصص، آیت ۷۷
۱۹......سورۃ المائدۃ، آیت ۹۳
۲۰......علاؤ الدین علی متقی، کنز العمال، دائرۃ المعارف، جلد ۲، صفحہ ۲۲
۲۱......سورۃ الحجرات، آیت ۱۳
۲۲......سورۃ الحجرات، آیت ۱۰
۲۳......صحیح بخاری، جلد ۱، صفحہ ۳۵-۲۳۴
۲۴......جامع ترمذی، جلد ۱، صفحہ ۱۹۷
۲۵......صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۱۰۲۱
۲۶......سورۃ المائدۃ، آیت ۳۲
۲۷......قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، S. ا پرنٹرز لاہور، جلد ۲، صفحہ ۲۰۳
۲۸......ایضاً، صفحہ ۲۱۳
۲۹......اس مقالہ کی پہلی اشاعت کے بعد ۲۰۰۰ء سے لے کر اب تک افغانستان، عراق اور شام وغیرہ ممالک میں امریکی دہشت گردی سے خواتین اور بچوں سمیت لاکھوں افراد لقمۂ اجل بنے---
۳۰......سورۃ الحج، آیت ۴۰
۳۱......صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۸۹۳
۳۲......صحیح بخاری، جلد ۲، صفحہ ۸۹۹
۳۳......محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، جلد ۱، صفحہ ۱۲۹
۳۴......سیرت ابن ہشام، جلد ۱، صفحہ ۱۲۵ / سبل الہدیٰ والرشاد، الباب الخامس عشر فی بنیان قریش الکعبۃ، جلد ۲، صفحہ ۱۷۱
۳۵......سورۃ آل عمران، آیت ۱۰۳
۳۶......زرقانی، جلد ۲، صفحہ ۳۲۸
۳۷......سورہ آل عمران، آیت ۹۷

دوسروں کو نفع پہنچانا سنت بھی، فطرت بھی!

مولانا محمد نعیم جاوید نوری

اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ:
''دینے والا ہاتھ لینے والے سے افضل ہے''---
فطرت کا بھی یہی اصول ہے۔عزت، احترام، وقار، قرار، دوام اور کمال اسی کے لیے ہے جو دوسروں کو دینے والا ہو۔ اپنے علم، عمل، اخلاق اور مال کی سخاوت سے دوسروں کے لیے مفید اور نفع بخش ہو۔
انگریزی زبان کا مشہور مقولہ ہے کہ:
In givining that we receive---
صحیفۂ انقلاب قرآن مجید کی یہ آیت انسان کو براہِ راست دعوتِ فکر دے رہی ہے، ارشاد ربانی ہے:
وَ أَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ---[سورہ رعد، آیت ۱۷]
''جو چیز نفع بخش ہے لوگوں کے لیے تو وہ باقی رہے گی زمین پر''---
چودہ صدیاں قبل قرآن پاک نے یہ راز بتا دیا تھا کہ اس دنیا میں وہی چیز باقی رہے گی یا اسے ہی دوام ملے گا جو دوسروں کے لیے مفید اور نفع بخش ہوگی۔ مخلوق میں سے اسے ہی زمین میں وقار اور قرار حاصل ہوگا جس سے لوگ زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔
آپ کائناتِ ربانی کا بغور مطالعہ کریں، تو یہ حقیقت آشکار ہوگی کہ زمین و آسمان میں موجود رب کی تخلیق کردہ ہر چیز ایک دوسرے کو ہر لمحہ نفع پہنچانے میں مصروف عمل ہے۔ چنانچہ سورج، چاند، دریا و صحرا، شجر و حجر، پہاڑ، ہوا، پانی، بادل سب دوسروں کو نفع بخشی پر مامور ہیں۔
یہ حکمتِ خداوندی اور فطرت کے برعکس ہے کہ کوئی فرد یا جماعت صرف اپنا ہی فائدہ چاہے، اپنی ہی مفاد پرستی اس کی زندگی کا مقصد ہو، کل کائنات صرف اپنی ہی ذات ہو۔ تاریخ شاہد ہے، سنت اور فطرت کے خلاف ہے کہ اس روشِ دنیا میں اسے کوئی عزت کی نگاہ سے دیکھے یا عزت ملے تو دوام بھی رہے، ایسا ہونا ناممکن ہے۔
مگر افسوس کہ آج ہم مسلمان ہوتے ہوئے بھی اپنے بھائیوں کے دکھ، درد، پریشانیوں اور مصائب سے آگاہ ہونے کے باوجود بھی بے حس ہو کر نظر چرا لیتے ہیں۔ ایک طرف شام کے وقت دستر خوان پر اتنے کھانے چنے جاتے ہیں کہ چند لقموں کے لیے بھی انتخاب کی نوبت نہیں آتی، دوسری طرف اپنے بھائی کو نانِ شبینہ بھی میسر نہیں۔
ایسی صورت حال میں کوئی پنج وقتہ نماز و چند تسبیحات، محافل کا انعقاد اور نعت خوانوں پہ ویلیں نچھاور کر کے یا چند روزہ تبلیغی چلے لگا کر اپنے آپ کو حساب و کتاب اور اپنی اصلی ذمہ داریوں سے مبرا سمجھے تو یہ بھولے پن کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ دین جن اجزاء کا مجموعہ ہے، اُن میں عبادات، معاملات، اخلاقیات، آدابِ معاشرت، حسنِ ادب اور معاشرے کے کمزوروں کو براہ راست نفع رسانی سرفہرست ہے، جب کہ ہم نے فقط چند عبادات و مستحب اعمال کو ہی کل دین سمجھ رکھا ہے۔
ایک انسان کا سب سے بڑا اعزاز انسانیت کا درد ہے، باہمی اخوت و رواداری اور غمگساری ہی انسان کے لیے سب سے بڑا ذریعۂ وقار ہے، جب کہ ہمارے ہاں انسانی ہی نہیں خونی رشتوں کا تقدس بھی پامال ہوتا جا رہا ہے۔ سیّد ضمیر جعفری اگر چہ طنز و مزاح پہ ہی قلم اٹھاتے تھے، لیکن ان کا ایک شعر موجودہ معاشرے کی اجتماعی بے حسی کی تصویر کو مزید عیاں کرتا ہے۔ لکھتے ہیں:

انسان کے ہوتے ہوئے انسان کا یہ حشر
دیکھا نہیں جاتا، مگر دیکھ رہا ہوں

ہمارے لیے دعوت فکر ہے کہ قرآن اور فطرت سے خیرو برکت، سکون و اطمینان، عزت و وقار کا راز جانیں۔ یہ بے موسمی بارشیں، یہ جھوٹے مقدمات، یہ مختلف النوع لاعلاج بیماریاں، سب کچھ ہوتے ہوئے کچھ نہ کھاسکنا، یہ انجانا خوف، بے سکونی، وقت اور رزق سے برکت اٹھ گئی۔ آخر یہ کیا اشارے ہیں؟؟ اشارہ یہی ہے کہ ہم مخلوق کے لیے نفع بخش نہیں رہے۔ خدارا خدائی اسکیم کو سمجھئے اور فطرت کے اعلان پہ کان دھریں۔

ہم پیارے پیارے پھولوں کا بہترین گلدستہ تیار کرتے ہیں، بڑے چاؤ سے اپنے گلدان میں سجا کر رکھتے ہیں، دن بھر اس سے تازگی اور فرحت محسوس کرتے ہیں، جب وہی گلدستہ کملا یا مرجھا جاتا ہے، ہم اسے اٹھا باہر پھینکتے ہیں۔ اس لیے کہ اب وہ گلدستہ جو بڑے ذوق وشوق سے ہم نے سجا کر اپنے گھر یا محفل میں رکھا تھا، جب مفید نہ رہا، اسے کوڑے دان میں ڈال دیا۔ تفسیر ضیاء القرآن میں پیر محمد کرم شاہ الازہری m نے سورۂ رعد کی مذکورہ آیت کے تحت لکھا ہے کہ:

"..........قوموں اور افراد کے لیے بھی عروج وزوال کا یہی معیار ہے۔ جب تک کوئی فرد یا کوئی قوم اپنی تعمیری صلاحیتوں، پسندیدہ اخلاق اور منفعت بخش اعمال سے متصف رہتی ہے، اس کی عظمت کا پرچم بلند فضاؤں میں لہراتا رہتا ہے..... لیکن جس وقت اس کی ذہنی قوتیں بانجھ ہو جاتی ہیں، ان کے اخلاق گر جاتے ہیں اور ان کا طریقہ کار راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے، تو عزت وکرامت کا جو تاج صدیوں سے ان کے سر پر جگمگا رہا تھا، وہ چپکے سے سر سے اتار لیا جاتا ہے.......... ۔ ہر قوم کو زندہ رہنے کے لیے قیمت ادا کرنا پڑتی ہے، ہر قوم کو عزت و ناموری کے حصول کے لیے قربانی دینا پڑتی ہے اور پھر اس حاصل کردہ عزت و ناموری کو برقرار رکھنے کے لیے شدید محنت سے کام کرنا پڑتی ہے"---

[تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۲، صفحہ ۱۱۵۵ تا ۱۱۵۶]

جب جب اور جہاں جہاں مسلمان علم وعرفان کے چراغ روشن کرتے رہے، اپنے علم وتحقیق اور اخلاق واعمال سے نہ صرف اپنوں بلکہ دوسروں کو بھی نفع پہنچاتے رہے، تو اللہ تعالی نے انھیں بے پناہ عزتوں سے نواز رکھا تھا، تقریباً دسویں صدی ہجری تک مسلمان علم و تحقیق اور اپنے اجتہاد و جہاد سے علم وحکمت کے گلستانوں میں نئے نئے اور تازہ پھول کھلاتے رہے۔ یہی وہ دور تھا جب مسلمانوں نے ایجادات کے انبار لگا کر انسانوں کے لیے زندگی میں بے شمار سہولیات کے سامان پیدا کیے۔

ان کے کاشت کار اور کسان بھی پھلوں، پھولوں اور اناج میں عمدہ سے عمدہ اقسام پیدا کرتے رہے۔ مسلمان طبیب کی تشخیص کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی تھی۔ ہمارا صوفی روحانی امراض کی چارہ گری میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ الغرض جب تک اس قوم کا وجود خیر وبرکت کا سرچشمہ بنا رہا، ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والا مسلمان اپنے معاشرے کو نفع بخشی ڈلیور کرتا رہا، تو امت مسلمہ کی ترقی وعروج کو روکنے کی ہر کوشش ناکام رہی۔ مگر جب سے سہل پسندی، نشتر تحقیق کند ہو گیا، جذبہ اجتہاد وجہاد ماند پڑ گیا، مصنوعات اور ایجادات کے دروازے بند ہو گئے، دینے کی بجائے مسلمان لینے والے بن گئے، تو اپنی ہزار سالہ عزت وعظمت کی تخت نشینی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

دنیا میں جو قوم، فرد یا انسان نفع بخش بنے بغیر بے حد نفع خور بننا چاہتا ہے، یاد رکھیے! یہ روش خدائی اسکیم، فطرت کے اصولوں اور سنت رسول ﷺ کے خلاف ہے۔ جو دیے بغیر صرف لینے پہ نظر رکھیں، اللہ ان سے نہ صرف عزت وکرامت کا تاج چھین لیتا ہے، انھیں طرح طرح کی آزمائشوں اور امتحانوں میں بھی مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر بے موسمی بارشیں، خوفناک بیماریاں، بے جا مقدمات اور طرح طرح کی زمینی و آسمانی آفتوں اور آزمائشوں سے افرادِ معاشرہ کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس خدائی اسکیم اور فطرتی نظام کے خلاف عملی بغاوت کرنے والوں کے ساتھ قدرت کوئی رورعایت نہیں کرتی۔ آج دنیا میں ہر جگہ جو مسلمان کا خون پانی طرح بہایا جا رہا ہے، اس کی بے شمار وجوہات میں سے ایک یہ کہ ہم من حیث القوم خیر ڈلیور کرنے والی قوم نہیں رہے۔

آیئے! عہد کیجیے کہ ہمارا ہر عمل اخلاص کے ساتھ اللہ کی مخلوق کے نفع کے لیے ہوگا، زیادہ نہ سہی تاجر اور مال دار باقاعدگی سے زکوۃ

نکالیں، کسان بھائی زمینی عشر پوری ذمہ داری سے ادا کرنے کا اہتمام اور نیت کریں۔ آیئے ہم سراپا محبت و ہمدرد بن جائیں، ہمارے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ لوگوں کے لیے مرہم بنیں۔ اور یاد رکھیے! خدائی اسکیم کی ماہر ترین اور نظم فطرت شناس شخصیت جناب رسالت مآب ﷺ کا بھی یہی قول مبارک ہے:

خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَنْفَعُ النَّاسَ — [کنز العمال]

''لوگوں میں سے بہترین وہی لوگ ہیں جو دوسروں کے لیے نفع بخش ہوں''---

بقولِ ڈاکٹر اقبال ؎

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں
بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو
خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

دوسروں کو نفع صرف مال وزر، روپے اور پیسے سے ہی نہیں پہنچایا جاتا، اپنے علم وفن، حتی کہ کسی کو اچھا اور مناسب مشورہ دینا بھی اسلام میں عبادت اور صدقہ کے مترادف ہے۔

مثبت سوچ ایک طرح کی نفع رسانی ہے:

دورِ اوّل کے مسلمانوں نے جو بے پناہ کامیابیاں حاصل کیں، اس کا ایک بڑا راز یہ بھی تھا کہ اس معاشرے کا ہر فرد مثبت سوچ کا حامل تھا۔ کسی کو نفع پہنچانے کے لیے انسان کو وقت، مال اور محنت درکار ہوتی ہے، جب کہ کسی کو نقصان نہ پہنچانا بھی اس کا فائدہ کرنے کے مترادف ہے۔ اس پہ ہمارا کون سا وقت، پیسہ اور محنت لگتی ہے۔ تو کم از کم ہم یہ ہی طے کر لیں کہ ہم ہر کسی کو کچھ دے نہیں سکتے تو اپنے علم وعمل، ہاتھ اور زبان سے کسی کو نقصان تو نہ پہنچائیں، تو یہ بھی دوسروں کو نفع پہنچانے کے مترادف ہے۔ جب کہ ایک بندہ مومن کو ایسا ہونا چاہیے کہ وہ ہر وقت دوسروں کے بھلے کا سوچتا رہے، چاہے کوئی اپنا ہو یا بے گانہ۔

معروف تابعی حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ ایک دن بازار سے سودا سلف لے کر واپس اپنے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں انھیں ایک ایسا آدمی ملا جو ان سے خواہ مخواہ کا بغض اور حسد رکھتا تھا۔ وہ آپ کو برا بھلا کہنے لگا، حتی کہ آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور مسلسل گالیاں بکتا رہا۔ آخر ایک جگہ پہ جا کر احنف بن قیس رک گئے اور اس آدمی کی طرف متوجہ ہو کر کہا، میں یہاں کھڑا ہوں، میرے خلاف تم نے جو بولنا ہے بول لو، مجھے جو کہنا ہے کہہ لو، کیونکہ آگے میرا محلہ آنے والا ہے، وہاں ہر کوئی مجھے جانتا ہے اور لوگ میری بہت عزت کرتے ہیں اور مجھ سے والہانہ محبت بھی کرتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ تم ان کے سامنے مجھے برا بھلا کہو گے تو وہ برداشت نہیں کریں گے اور ممکن ہے تم کو نقصان پہنچائیں اور اس طرح جسمانی نقصان کے ساتھ ساتھ کہیں تمہاری عزت بھی نہ برباد ہو جائے۔

دیکھیے! احنف بن قیس کو پریشانی یہ نہیں ہوئی کہ ایک شخص ان کو بلا وجہ برا بھلا کہہ رہا ہے، اس کی بجائے وہ یہ سوچ کر پریشان ہوئے کہ کہیں میرے محلے کے وہ لوگ جو مجھ سے محبت کرتے ہیں، اس کو نقصان نہ پہنچائیں۔

اگر ہم کم از کم یہی سوچ بنا لیں کہ ہم نے کسی کو نقصان اور ضرر نہیں پہنچانا، تو یہ بھی نفع رسانی کی ایک بہترین صورت ہے۔

صرف اپنا ہی سوچنا، اپنے لیے جینا، یہ کوئی انسانی سوچ نہیں ہے۔

عربی کے شاعر عتبی کا مشہور قول ہے کہ:

''شریف آدمی کے لیے سب سے بری چیز یہ ہے کہ وہ اپنا خیر تم سے روک دے اور کمینے آدمی کے لیے سب سے بہتر چیز یہ ہے کہ وہ اپنے شر سے تم کو بچائے''---

یعنی اصل میں شریف اور معزز آدمی وہ ہے جو دوسروں کے لیے سب سے نفع بخش ہو۔ بولے، تو انصاف اور خیر خواہی کی بات کرے، اس کے مال اور اثاثہ جات میں دوسروں کا حصہ ہو۔ کسی آدمی کی شرافت کے منافی ہے کہ اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچنا بند ہو جائے۔ دنیا میں دوسروں کو فائدہ پہنچانے والا شخص گویا خدا کے باغ میں پھول ہے۔ دنیا میں اس کا وجود ایک نعمت ہے۔

شریف اور معزز آدمی سے لوگوں کو خیر کی مہک ملتی ہے، جب کہ کمینے اور گھٹیا انسان سے دوسروں کو صرف تلخیاں اور اذیتیں ہی ملتی ہیں۔

ہمیں اپنے والدین، بہن بھائیوں، اعزہ واقارب حتی کہ اپنی پوری سوسائٹی اور ملک وملت کے لیے ایک نفع بخش اور مفید شہری بننے کی جستجو میں رہنا چاہیے۔ اسی روش میں ہی خالق فطرت نے انفرادی واجتماعی عزت کا راز رکھا ہے۔

□□□

وبائی امراض اور نبوی تعلیمات

مفتی منیب الرحمن

ان دنوں دنیا کئی مہلک جرثوموں کی زد میں ہے، ان میں سے اکثر جان لیوا ثابت ہوتے ہیں۔ ڈینگی، کانگو، نگلیریا کے بعد ایک اور خطرناک وائرس ''کرونا'' نے دنیا کو دہشت زدہ کر دیا ہے۔ ماضی میں ایسی مہلک وباؤں کا شکار اکثر پس ماندہ اور ترقی پذیر ممالک ہوتے تھے، لیکن عجیب اتفاق ہے کہ اس بار اوّلین مرحلے پر ترقی یافتہ ممالک اس کا شکار ہو گئے ہیں اور ان میں سے چین سب سے زیادہ متاثر ہے۔ جاپان، تھائی لینڈ، سنگاپور، تائیوان، کینیڈا، جرمنی اور کسی حد تک امریکہ بھی اس کی زد میں ہے، یعنی وہاں اس وائرس کی تصدیق ہو چکی ہے۔ کرونا وائرس کی نصف درجن سے زائد اقسام دریافت ہو چکی ہیں، جب اس کا خوردبین سے جائزہ لیا گیا، تو یہ نصف دائرے کی شکل میں نظر آیا اور کنارے پر ایسا ابھار نظر آیا، جو تاج کی شکل کے مشابہ ہے۔ رومن زبان میں تاج کو کراؤن کہتے ہیں، اسی بنا پر اس کا نام ''کرونا'' رکھ دیا گیا ہے۔ اب تک زیادہ تر جان دار مثلاً: خنزیر اور مرغیاں اس سے متاثر ہوتے رہے ہیں، لیکن اب یہ وائرس اپنی شکل بدل کر انسانوں کو متاثر کر سکتا ہے اور کرتا رہا ہے۔ 1960ء کے عشرے میں کرونا وائرس کا نام دنیا نے پہلی بار سنا اور اب تک اس کی 13 اقسام سامنے آ چکی ہیں، ان میں سے سات اقسام انسانوں میں منتقل ہو کر انہیں متاثر کر سکتی ہیں۔

ان میں سے Novel Coronavirus 2019 اور Severe acute respiratory syndrome (SARS) چین میں دریافت ہوئے ہیں اور Middle East Respiratory Syndrome (MERS) شرقِ اوسط میں دریافت ہوا ہے۔

کرونا وائرس سانس کی اوپری نالی پر حملہ کرتے ہوئے سانس کے داخلی نظام کو متاثر کرتا ہے اور انسان جان لیوا نمونیا یا فلو میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

2003ء میں سارس وائرس سے چین میں 774 افراد ہلاک اور 8000 متاثر ہوئے تھے۔ مرس اس سے بھی زیادہ ہولناک تھا، اس وائرس سے متاثر مریضوں میں یہ علامات ظاہر ہوتی ہیں: بخار، کھانسی، گلے کی خراش اور شدید حملے کی صورت میں سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے۔ چین کے ''مرکز برائے انسدادِ امراض واحتیاطی تدابیر'' کے ڈائریکٹر گاؤفو نے کہا ہے:

> ''یہ وائرس ووہان کے ایک سمندری خوراک کی مارکیٹ میں جنگلی جانوروں سے پھیلا، اس مارکیٹ میں مختلف قسم کے جنگلی جانور مثلاً: لومڑی، مگرمچھ، بھیڑیے اور سانپ وغیرہ فروخت کیے جاتے تھے''---

صحت کے عالمی ادارے کے مطابق وائرس کا شکار ہونے سے دو ہفتے کے اندر اس کی علامات سامنے آتی ہیں، چینی محکمہ صحت نے ووہان سے نمودار ہونے والے وائرس کا جینوم (جینیاتی ڈرافٹ) معلوم کر کے اسے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، اب تک اس کی کوئی اینٹی وائرل دوا یا ویکسین دریافت نہیں ہو سکی۔ دسمبر 2019ء میں نیا وائرس سامنے آیا ہے اور ماہرین اس کی ظاہری علامات کے مطابق ہی اس کا علاج کر رہے ہیں۔ یہ ایک متعدی مرض ہے اور اس کا وائرس حیوان سے انسان میں منتقل ہونے، انسان کو بیمار کرنے اور دوسرے انسانوں میں منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے اور یہی اس کے متعدی (Infectious) ہونے کی علامت ہے۔

حدیثِ پاک میں ہے: ''نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کوئی مرض (اپنی ذات سے) مُتعدی نہیں ہوتا''--- [بخاری: ۵۷۷۳]

مریض سے تندرست آدمی میں مرض کے منتقل ہونے کو ''عَدْوٰی'' کہتے ہیں، بعض لوگوں نے اس کا مفہوم یہ لیا ہے کہ کوئی بھی مرض متعدی نہیں ہے اور وہ مہلک امراض سے بچاؤ کے لیے حفاظتی

تدابیر کو توکل کے خلاف سمجھتے ہیں، یہ فہم درست نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مہلک امراض سے بچاؤ کے لیے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کی تعلیم فرمائی ہے:

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''طاعون ایک صورتِ عذاب ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے تم سے پہلی اُمتوں یا بنی اسرائیل پر مسلط فرمایا، سو جب کسی جگہ یہ بیماری پھیل جائے، تو وہاں کے لوگ اُس بستی سے باہر نہ جائیں اور جو اُس بستی سے باہر ہیں، وہ اُس میں داخل نہ ہوں''---[مسلم:۲۲۱۸]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے سفر پر جارہے تھے، سَرغ نامی بستی سے اُن کا گزر ہوا، حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور اُن کے ساتھیوں نے بتایا کہ اس بستی میں طاعون کی وبا پھیل گئی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار صحابۂ کرام [اور غزوۂ فتح مکہ میں شریک اکابرِ قریش سے مشورہ کیا، پھر اجتماعی مشاورت سے انہوں نے بستی میں داخل نہ ہونے کا فیصلہ کیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! اللہ کی تقدیر سے بھاگ رہے ہو، انہوں نے جواب دیا: ہاں! اللہ کی تقدیر سے بھاگ کر اللہ کی تقدیر کی آغوش میں پناہ لے رہا ہوں۔ پھر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ آئے اور اُنہوں نے کہا: اِس حوالے سے میرے پاس رسول اللہ ﷺ کی ہدایت موجود ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

''جب تم کسی بستی میں اس وبا کے بارے میں سنو، تو وہاں نہ جاؤ اور اگر تم پہلے سے وہاں موجود ہو اور یہ وبا پھیل جائے تو وہاں سے بھاگ کر نہ جاؤ، یہ سن کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اپنا سفر آگے کی طرف جاری رکھا''---[مسلم مُلخصاً:۲۲۱۹]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو متعدی وبا سے بچنے کے لیے حفاظتی تدابیر اختیار کرنی چاہییں اور حفاظتی تدابیر کا اختیار کرنا توکل اور تقدیر پر ایمان کے منافی نہیں ہے، بلکہ توکل کی حقیقت یہی ہے کہ اسباب کو اختیار کیا جائے، لیکن اَسباب کو مؤثر بالذات ماننے کے بجائے خداوندِ مسبّب الاسباب پر ایمان رکھا جائے، کیونکہ اسباب میں تاثیر اُسی نے پیدا کی ہے اور اُسی کے حکم سے یہ موثر ہوتی ہے، تقدیر پر ایمان کا تقاضا بھی یہی ہے، آپ ﷺ کا فرمان ہے:

لَا یُوْرِدُ الْمُمْرِضُ عَلَی الْمُصِحِّ ---[مسلم:۲۲۲۱]

''بیمار کو تندرست سے الگ رکھا جائے''---

اس میں Isolation Unit کی ہدایت موجود ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ وبائی امراض سے بچنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کی جائیں، ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

وَفِرَّ مِنَ الْمَجْذُوْمِ کَمَا تَفِرُّ مِنَ الْأَسَدِ---[بخاری:۵۷۰۷]

''جذام کے مریض سے بچو، جیسے تم شیر سے بچتے ہو''---

دوسری حدیث میں ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے جذام کے مریض کو اپنے ساتھ بٹھا کر ایک برتن میں کھانا کھلایا''---[ابن ماجہ:۳۵۴۲]

آپ ﷺ کے اِس شِعار کا مقصد یہ ہے کہ کسی وبائی مرض میں مبتلا مریض سے احتیاط تو کی جائے، لیکن اُس سے نفرت نہ کی جائے، تاکہ اُسے حوصلہ ملے اور اُس کے دل میں احساسِ محرومی پیدا نہ ہو۔ چنانچہ آج بھی احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے ڈاکٹر اور طبی عملہ ایسے مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔

حدیث میں یہ فرمان کہ ''کوئی مرض متعدی نہیں ہوتا''، اِس کی شرح میں علامہ نووی لکھتے ہیں:

بظاہر ان حدیثوں میں تعارض ہے کہ ایک جگہ مریض سے بچنے کا حکم ہے اور دوسرا جذام کے مریض کے ساتھ کھانا کھانے کے حوالے سے آپ کا فعلِ مبارک ہے، اس سے کوئی مرض کے متعدی نہ ہونے کا نتیجہ نکال سکتا ہے۔ ان حدیثوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ امراض میں متعدی ہونے کی تاثیر اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی ہے، لیکن وہ اللہ کی مشیت سے مؤثر ہوتی ہے، کسی چیز میں کوئی تاثیر ذاتی نہیں ہوتی، اگر ایسا ہوتا تو دوا استعمال کرنے والا اور طبیب سے رجوع کرنے والا ہر مریض شفایاب ہو جاتا۔ لیکن ہمارا مشاہدہ ہے کہ ایسا نہیں ہوتا، پس جس کے لیے اللہ کا حکم ہوتا ہے، اُس کے حق میں ڈاکٹر کی تشخیص درست اور دوا وسیلۂ شفا بن جاتی ہے۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے مرض کے بذاتہٖ متعدی ہونے

کی نفی فرمائی، تو ایک اعرابی نے سوال کیا: یارسول اللہ! اُونٹ ریگستان میں ہرن کی طرح اُچھل کود کررہے ہوتے ہیں کہ کوئی خارش زدہ اُونٹ ریوڑ میں گھس جاتا ہے اور اُس کے نتیجے میں سارے اُونٹ خارش کی بیماری میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

’’پہلے اُونٹ کو خارش کہاں سے لگی‘‘---[مسلم:۲۲۲۰]

اِس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مرض کے متعدی ہونے کی نفی نہیں فرمائی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف متوجہ فرمایا اور بتایا کہ عالم اسباب مسبب الاسباب کے حکم کے تابع ہے، لہٰذا تدبیر کے طور پر اسباب کو اختیار کیا جائے، لیکن سب چیزوں کو قادرِ مطلق کے حکم کے تابع سمجھا جائے۔ محض سبب اور مسبّب اور علت اور معلول کے تانے بانے کو ہی موثرِ حقیقی ماننا الحاد ہے اور ایسے ہی لوگوں کو ملحد کہا جاتا ہے۔ الغرض یہ جانور تو ہر دور میں رہے ہیں اور رہیں گے، لیکن ایک خاص موقع پر ایسے وائرس کا پیدا ہونا اور انسانوں میں منتقل ہونا ہر سلیم الفطرت انسان کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تقدیر کی کارفرمائی کو تسلیم کرے۔

پس صحت کے ماہرین کی ہدایات اور ان کی بتائی ہوئی حفاظتی تدابیر پر عمل کرنا لازم ہے، چونکہ اس مرض کا تعلق سانس سے ہے، اس لیے ایسی امراض کے بچاؤ کے لیے منہ اور ناک پر ماسک پہننے کا مشورہ دیا جاتا ہے تاکہ کسی مریض سے سامنا ہو تو وائرس کی زد سے بچ سکیں۔ لازم نہیں ہے کہ ہر شخص مرض کے وبائی اثرات کا شکار ہوجائے، جیسے بعض متعدی امراض ایک گھر میں داخل ہوجاتے ہیں، بعض کو تو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور وہ فوت ہوجاتے ہیں اور بعض دیگر افراد ان سے محفوظ رہتے ہیں، کیونکہ ہر ایک کی مدافعتی قوت جدا جدا ہوتی ہے۔ عالمی ادارۂ صحت نے اس ضمن میں باتصویر ہدایات جاری کی ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

بار بار اچھے صابن سے ہاتھ دھوئیں، نزلہ اور زکام کے مریضوں سے دور رہیں، کھانستے اور چھینکتے وقت منہ اور ناک کو ڈھانپیں، جانوروں سے دور رہیں، کھانا پکانے سے قبل اور بعد میں ہاتھوں کو اچھی طرح دھوئیں، کھانا اچھی طرح پکائیں اور اسے کچا نہ رہنے دیں، کسی کی بھی آنکھ، چہرے اور منہ کو چھونے سے گریز کریں۔ جو شخص پانچ مرتبہ دن میں نماز کا اہتمام کرتا ہے اور کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونے کی سنت پر عمل کرتا ہے، اس کے لیے ان تدابیر پر عمل کرنا آسان ہے۔ احتیاطی تدابیر کے ساتھ ساتھ روحانی تدابیر پر بھی عمل کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی مصیبت زدہ کو دیکھے اور یہ دعا پڑھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَ فَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلاً---[ترمذی:۳۴۳۱]

’’سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے اس مصیبت سے بچایا، جس میں تجھے مبتلا کیا اور مجھے اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی‘‘---

تو وہ زندگی بھر اس وبا سے محفوظ رہے گا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگنے کی تعلیم فرمائی ہے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَ الْعَافِيَةَ فِیْ دِیْنِیْ وَ دُنْيَایَ وَ أَهْلِیْ وَ مَالِیْ. اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ، وَ آمِنْ رَوْعَاتِیْ. اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَيْنِ يَدَیَّ، وَ مِنْ خَلْفِیْ، وَ عَنْ يَمِيْنِیْ، وَ عَنْ شِمَالِیْ، وَ مِنْ فَوْقِیْ، وَ أَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ أَنْ أُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ---[ابوداؤد:۵۰۷۴]

’’اے اللہ! میں تجھ سے دنیا و آخرت میں عافیت کا طلبگار ہوں، اے اللہ! میں تجھ سے عفو و درگزر، اپنے دین و دنیا، اہل و عیال اور مال میں عافیت کی التجا کرتا ہوں، اے اللہ! ہماری ستر پوشی فرما، ہماری شرم گاہوں کی حفاظت فرما اور ہمیں خوف و خطرات سے محفوظ اور مامون فرما، اے اللہ! تو ہمارے آگے اور پیچھے سے، دائیں اور بائیں سے، اوپر سے حفاظت فرما اور میں اس بات سے تیری عظمت کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں اچانک اپنے نیچے سے پکڑ لیا جاؤں‘‘---

ایک اور موقع پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَ الْجُنُوْنِ وَ الْجُذَامِ وَ مِنْ سَيِّئِ الْأَسْقَامِ---[ابوداؤد:۱۵۵۴]

’’اے اللہ! میں برص، جنون، کوڑھ اور تمام مہلک بیماریوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں‘‘---

□□□

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

محمد احسان الحق شاہ ہاشمی

موت کی طرح یہ بھی ایک آفاقی اور نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ "گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں" اگر ہم غور کریں تو یہ زندگی بہت مختصر بھی ہے اور کافی بھی۔ مختصر تو اس لحاظ سے کہ اس دنیا کے سو سال روزِ محشر کے بمشکل پانچ منٹ کے برابر ہیں اور کافی اس طرح ہے کہ ہمارا رب رؤف و رحیم ہے، جس نے ہمارے ساتھ ہماری سوچ سے بھی زیادہ مہربانیاں فرمائی ہیں، اس نے دنیا کے ایک ایک لمحے کی قیمت ڈالتے ہوئے اور دوسری طرف ہماری کمزوریوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہماری تھوڑی سی محنت کا بے حد وحساب صلہ دینے کا اعلان فرمایا، بلکہ بے شمار مواقع پر بغیر محنت کے بھی عطا کرنے کا وعدہ کیا۔ آیئے ذرا اس کا جائزہ تو لیں:

ایک منٹ	=60 سیکنڈ
ایک گھنٹہ	=60 منٹ، یعنی 3600 سیکنڈ
ایک دن	=24 گھنٹے، یعنی 86400 سیکنڈ
ایک سال	=365 دن، یعنی 31536000 سیکنڈ
اوسط عمر	=65 سال، یعنی 2049840000 سیکنڈ
دورِ طفولیت	=10 سال، یعنی 315360000 سیکنڈ
باقی وقت	=55 سال، یعنی 1734480000 سیکنڈ
باقی وقت میں نیند کا اوسط ٹائم	=33%، یعنی 578160000 سیکنڈ
باقی ماندہ وقت	=67% یعنی، 1156320000 سیکنڈ

مذکورہ بالا چارٹ پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری زندگی کا ایک معقول حصہ، (یعنی بلوغت سے پہلے کا دور) پہلے ہی حساب کتاب سے مستثنیٰ کر دیا گیا، جو کہ اوسطاً 10 سال یا 315360000 سیکنڈ بنتا ہے۔ پھر زندگی میں جو وقت اوسطاً ہم سو کر (نیند میں) گزارتے ہیں، وہ 18 سال یا 578160000 سیکنڈ، ان کا مجموعہ 28 سال بنتا ہے، گویا اوسطاً 65 برس کی عمر پانے والے ایک انسان کی زندگی کے 28 برس کا حساب تو اللہ تعالیٰ ویسے ہی نہیں لیتا، باقی رہ گئے 37 برس، اس بقیہ 67% (37 سال کے) عرصے میں بشری تقاضے سے سرزد ہونے والی عمداً یا سہواً خطاؤں کی معافی اور تلافی کی آسان راہوں سے بھی ہمیں روشناس کرا دیا گیا۔ اس کے نبی خیر البشر سید ولدِ آدم محمد مصطفیٰ رضی اللہ عنہ کی حیاتِ طیبہ سے دنیا کے ایک ایک لمحے کو مفید بنانے کی کوشش اور ترغیب کا درس ملتا ہے۔

صبح آنکھ کھلنے سے رات سونے تک آنحضرت ﷺ ہر ایک لمحہ ضائع کیے بغیر گزارتے، کیونکہ آپ ﷺ باذن اللہ ان ہاتھ آنے والے ایک لمحے کی قدر و قیمت جانتے تھے، اسی لیے آنکھ کھلتے ہی آپ ﷺ کے لب ہائے مبارکہ پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہوتی تھی، پھر طہارت خانہ جاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب فرماتے، رفعِ حاجت کے بعد اللہ سے بخشش کی دعا کے ساتھ ہی رفعِ حاجت سے بخیر و عافیت خلاصی دینے پر اس کی تعریف و ستائش فرماتے۔ نماز کے لیے یا کسی کام کے لیے گھر سے نکلتے وقت اللہ کا ذکر اور اسی پر بھروسے کا اعلان، راستے میں کسی بھی بلندی پر چڑھتے ہوئے اس کی کبریائی اور اترتے ہوئے اس کی تسبیح، مسجد میں داخل ہوتے وقت اللہ کی بارگاہ میں رحمتوں کے نزول کی دعا، مسجد میں جتنا وقت کوئی بیٹھے اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے نماز میں مشغولیت کا مژدہ اور پھر وہاں سے نکلتے وقت اس کی جناب میں فضل کا سوال، گھر میں واپسی پر اللہ کا ذکر، کاروبار کے لیے بازار اور منڈیوں میں جاتے وقت اللہ سے خیریت اور خسارے سے بچاؤ کی التجائیں، سودا ہونے پر صدقہ کی ترغیب، تاکہ کسی قسم کی کوتاہی کی تلافی ہو جائے، کھانا کھاتے وقت تسمیہ اور کھانے سے فارغ ہوتے وقت اللہ تعالیٰ کی تحمید، کسی سے ملاقات اور مصافحہ کرتے اور رخصت ہوتے وقت سلام کا تبادلہ، نہانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور طاہر مطہر رکھنے کی دعا،

آئینہ دیکھتے ہوئے حسنِ سیرت کی درخواست، کپڑے پہنتے وقت اللہ کی حمد وثنا، سفر پر روانہ ہوتے وقت دعا، سواری پر سوار ہوتے وقت دعا، سفر سے واپسی پر دعا، بیمار کی تیمارداری کرتے وقت دعا، مسلمان میت پر نمازِ جنازہ (میں) اور قبر پر اس کی استقامت اور اُخروی کامیابی کی دعائیں کرنا، نیز اس کے لواحقین سے اظہارِ ہمدردی اور دعا کرنا، حلال جانور ذبح کرتے وقت دعا اللہ کا نام، کسی کے ہاں دعوت کھانے کے بعد ان کے لیے خیر وبرکت کی دعا کرنا، رات کو بستر پر لیٹتے ہوئے دعا پڑھنا، برا خواب آنے پر کروٹ بدلتے ہوئے تعوذ پڑھنے کی تلقین، زوجین کے تعلقات کا مسنون دعاؤں کے ساتھ نبھانا بھی کارِ ثواب۔

علاوہ ازیں پانچ نمازوں کو گناہوں کا کفارہ قرار دینا، رمضان المبارک اور فریضہ حج کو گناہوں سے پاک ہونے کا سبب ہونے کے علاوہ اللہ کی طرف سے یہاں تک خوشخبری سنانا کہ اگر کوئی انسان رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر سوئے اور صبح اٹھ کر نمازِ فجر ادا کرتا ہے تو اللہ تعالی کے نزدیک یوں ہوتا ہے جیسے اس نے ساری رات قیام کیا۔ اعمالِ صالحہ سے گناہ مٹ جانے کا سبق اور حد تو یہ ہے کہ برے بول بولنے سے چپ رہنا بھی عبادت ہے۔

ذکر کا مفہوم صرف نماز تک محدود نہیں، بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے، قرآن مجید ہے، کلمہ توحید "لا الہ الا اللہ" افضل الذکر ہے، اسی لیے اللہ تعالی نے فرمایا:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝---[۱۰:]

"جب نماز پڑھ لیا کرو تو زمین میں اللہ کے فضل کی تلاش کے لیے نکل پڑا کرو اور (ساتھ ہی ساتھ) اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو، تاکہ فلاح پاجاؤ"---

دوسرے مقام پر اپنے مقرب بندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ يَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ---[آلِ عمران:۱۹۱]

"وہ اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے (ہر حال میں) ذکرِ الٰہی سے رطب اللسان رہتے ہوئے آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں"---

ان آیات میں دین اور دنیا کو ساتھ ساتھ لے کر چلنے کو کامیابی قرار دیا گیا ہے اور حقیقتاً یہ دارین کی فلاح ہے۔ وہ نہ تو صرف دنیا کا بن کر رہ جاتا ہے اور نہ ترکِ دنیا (رہبانیت) کی راہیں اپناتا ہے۔ ہم میں سے انتہا پسندی اور اکثریت غفلت میں مبتلا رہتی ہے اور جب ہم بہت دور نکل جاتے ہیں تو پھر ماؤں سے بڑھ کر مہربان ہمیں اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے معمولی سا جھٹکا دیتا ہے، تو جو ہماری حالت ہوتی ہے، اس کا منظر کچھ یوں ہوتا ہے:

اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ---[۱۲:]

"جب انسان کو تکلیف پہنچ جائے تو اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے ہمیں یاد کرتا ہے، پھر جب ہم اس کی تکلیف کو دور کردیں تو یوں گزر جاتا ہے گویا کہ کبھی اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا"---

ایسا انداز ابن الوقت اور خودغرض لوگوں کا ہوتا ہے، جو اچھے وقت کی قدر نہیں کرتے اور دگرگوں حالات میں اپنی غفلت پر تلملاتے ہیں، ایسے لوگ بالآخر خسارے میں جانے والے ہیں۔ مومن ہمیشہ ہاتھ آئے وقت کی قدر کرتے ہوئے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرتا۔ اللہ تعالی نے سب سے پہلا اور بڑا مومن نبی ﷺ کو قرار دیا، جیسا کہ فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ---[البقرہ:۲۸۵]

"ایمان لایا رسول اس چیز پر جو اس کی طرف نازل کی گئی اور اہل ایمان بھی"---

رسول اللہ ﷺ کسی محفل میں بیٹھے بیٹھے بیسیوں مرتبہ اللہ تعالی کو یاد فرماتے، کیونکہ جب اللہ تعالی کو یاد کیا جائے تو وہاں سیاحین ملائکہ آجاتے ہیں، اور جہاں ایسا سماں بندھ جائے وہاں سے شیاطین راہِ فرار اختیار کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ جو لوگ زمین پر اللہ کو یاد کرتے ہیں، اللہ انہیں عرشِ بریں پر یاد فرماتا ہے۔

صدقہ جاریہ ایسا عمل ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس کی نیکیوں میں زور افزوں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ جب ہم ماثورہ دعائیں پڑھتے

ہیں تو ہم تک پہنچانے والے برابر اس ثواب میں شریک ہو رہے ہوتے ہیں۔اس لحاظ سے ذرا دیکھا جائے تو صحابہ کرام [، تابعین عظام، تبع تابعین، آئمۂ دین، محدثین کرام اور سلف صالحین کی نیکیوں کے درجہ بدرجہ کس طرح انبار لگ چکے ہوں گے، پھر اس کے ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی کانوں میں گونجتا ہے:

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا كَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَ نُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا۝ ---[النساء:۳۱]

''اگر تم ممنوعہ کبیرہ گناہوں سے بچے رہے تو ہم تمہاری (دوسری) لغزشیں (ویسے) ہی معاف کرتے ہوئے تمہیں باعزت طور پر جنت میں داخل کریں گے'' ---

اور فرمایا:

مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا اَوۡ يَظۡلِمۡ نَفۡسَهٗ ثُمَّ يَسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا۝ ---[النساء:۱۱۰]

''جو کوئی برائی کر بیٹھا یا اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھا، پھر اللہ کے حضور معافی کا خواستگار ہوا، تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا مہربان پائے گا'' ---

سورہ الفرقان میں تو یہاں تک فرمایا کہ اگر کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کے بعد بھی کسی نے توبہ کر لی، تو نہ صرف اسے معاف کر دیا جائے گا بلکہ اس کے کالے کرتوتوں کو بھی نیکیوں میں شمار کر لیا جائے گا۔

کسی کو زندگی کے آخری لمحے کا کچھ علم نہیں، نامعلوم کب، کہاں اور کس حال میں ہوں کہ ملک الموت سامنے آ کھڑا ہو اور ''گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں'' کے مصداق ہم تلملاتے اور واویلا کرتے رہ جائیں کہ'''' (اے میرے رب! مجھے واپسی کا موقع دیجیے) اور آگے سے جواب آئے'''' (ہرگز نہیں)۔

اس لیے زندگی کے ہر ایک لمحے کی قدر کرتے ہوئے یہی سمجھنا چاہیے کہ شاید یہی میری زندگی کا آخری لمحہ ہو، شاید یہی ایک لمحہ ہماری عقبیٰ سنوارنے میں ہمارے کام آ جائے۔

□□□

دیوان رضا میں ہندی اور سنسکرت الفاظ کی معنویت

ڈاکٹر محمد احمد نعیمی دہلی

امام احمد رضا خاں قادری حنفی (پ ۱۸۵۶ء/ ۱۲۷۲ھ م ۱۹۲۱ء/ ۱۳۴۰ھ) غیر منقسم ہندوستان کے ایک مشہور فقیہ، محدث، مفسر، مترجم قرآن اور نعت گو شاعر تھے۔ آپ کو چودھویں صدی ہجری کا مجدد بھی کہا جاتا ہے، پچاس سے زائد علوم وفنون میں آپ کو مہارت حاصل تھی، جن میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، عقائد وکلام، تصوف، صرف ونحو، ادب و بلاغت، تاریخ وتہذیب، منطق و فلسفہ، علمِ نجوم وعلمِ رمل، علم ریاضی وزیجات اور شعر وادب جیسے علوم شامل ہیں۔ آپ کی حیات ہی میں غیر منقسم ہندوستان اور عرب ممالک کے علماء وفقہاء نے آپ کو ایک بے مثال فقیہ اور متبحر عالم تسلیم کیا ہے۔ دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں آپ کی علمی خدمات پر بہت سی پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں ایوارڈ کی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ مختلف موضوعات پر آپ کی سیکڑوں تصانیف پائی جاتی ہیں جن میں تقریباً دوسو پچاس سے زائد کتب زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ جن میں کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل فتاویٰ رضویہ اور ترجمۂ قرآن کنز الایمان، الامن والعلیٰ، فوزِ مبین در ردِ حرکتِ زمین اور جد الممتار وغیرہ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔

(قادری، بدر الدین، سوانح اعلیٰ حضرت، بستی، مدرسہ غوثیہ، ۱۹۸۴ء ص ۳۸۷ تا ۳۹۶)

مذکورہ بالا علوم وفنون کے علاوہ شعر وسخن بالخصوص نعتیہ شاعری کے میدان میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ نے قرآن وحدیث، ذاتِ رسول، اوصافِ رسول، محاسنِ رسول، سیرتِ رسول، عظمتِ رسول، معجزاتِ رسول اور واقعاتِ رسول وغیرہ کو اس طرح صنفِ نعت کے قالب میں ڈھالا ہے کہ اردو نعتیہ شاعری میں جس کی مثال نہیں ملتی۔ جس کا زندہ ثبوت آپ کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' ہے جس میں آپ نے مدحِ رسول اور ثنائے رسول کے ایسے گراں قدر گوہرِ نایاب لٹائے ہیں اور نعتِ رسول کو ایسا منظوم شعری جامہ پہنایا ہے کہ داغ دہلوی جیسے استاد شاعر پکار اٹھتے ہیں:

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں

(قادری، امانت رسول، تجلیات امام احمد رضا، کراچی، مکتبہ برکاتی پبلشرز، ص ۹۰)

پروفیسر ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ آزاد کہتے ہیں:

''اردو کی نعتیہ شاعری کا ایک معتبر ومستند نام ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب جنھوں نے نعت کے فروغ و ارتقاء میں بہت اہم کام کیا ہے۔ ان کا دیوانِ نعت حدائقِ بخشش تین جلدوں میں ہے۔ تبحرِ علمی، زورِ بیاں، وابستگی اور عقیدت ان کی نعتوں میں یوں گھل مل اور رچ بس گئے ہیں کہ اردو نعت میں ایسا خوشگوار امتزاج کہیں اور دیکھنے کو نہیں آتا۔''

(آزاد، دھرمیندر ناتھ، پروفیسر، ہمارے رسول، نئی دہلی، سفارت جمہوری ایران، ۲۰۱۱ء ص ۱۳۸)

امام احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری میں اردو، عربی، فارسی، ہندی، سنسکرت اور علاقائی زبانوں کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ آپ اردو، عربی، فارسی کے علاوہ ہندی، علاقائی اور مقامی زبانوں اور بولیوں پر بھی عالمانہ دسترس رکھتے تھے۔ اپنے اس مقالہ میں ہمیں ''دیوانِ رضا میں ہندی اور سنسکرت الفاظ کا استعمال اور ان کی معنویت'' کے تعلق سے ایک تحقیقی جائزہ لینا ہے اور دلائل وامثال کی روشنی میں یہ حقیقت واضح کرنا ہے کہ امام احمد رضا خاں بہترین ماہرِ لسانیات بھی تھے۔ دیگر زبانوں کی طرح وہ ہندی اور سنسکرت زبان سے بھی بخوبی واقف تھے اور بنا کسی تکلف کے حسبِ ضرورت وہ ہندی اور سنسکرت کے الفاظ کا بھی استعمال فرماتے تھے۔

دیوانِ رضا میں ہندی اور سنسکرت کے الفاظ کا تحقیقی جائزہ لینے سے قبل ضروری ہے کہ پہلے ہندی زبان کے تخلیقی، تاریخی اور ارتقائی حقائق کا بھی مختصر تحقیقی مطالعہ کیا جائے تا کہ اس کی آفرینش، تربیت و پرورش اور استعمالی روش کے خدوخال بھی بخوبی آشکارا ہو جائیں۔

''ہندی'' لفظ کا آغاز وارتقاء:

ہندی حقیقت میں فارسی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنیٰ ہے ''ہندی کا'' یا ''ہندی سے متعلق''۔ ہندی لفظ ہندو سے مشتق وماخوذ ہے جو کہ ایک جدید لفظ ہے اس معنیٰ کر کہ ہندوستان کے قدیم مذہبی ادب اور مذہبی تاریخ میں یہ لفظ نہیں پایا جاتا ہے۔ سوا شبد کلپدرم کے اور شبد کلپدرم کی بنیاد میرو تنتر ہے جو قدیم ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں فارسی لغات میں ہندو لفظ ضرور ملتا ہے اور اس سے نکلے ہوئے مختلف الفاظ بھی جیسے ہندوستان، ہندسا، ہندی اور ہندو۔ (ہندو دھرم کا سار و بھوم تتو، ص ۱) نیز ہندو علماء و محققین کہتے ہیں کہ جن جن سنسکرت گرنتھوں اور مذہبی کتابوں میں ''ہندو'' لفظ آیا ہوا نھیں بھی جدید ہی سمجھنا چاہیے کیونکہ اگر یہ لفظ قدیم سنسکرت رہتا تو ویدوں میں نہ سہی، کم از کم اسمرتیوں، پرانوں، مہابھارت اور قدیم لغات (شبد کوش) میں ضرور پایا جاتا اور تو اور ہماری قدیم لغت (کوش گرنتھ) امرکوش بھی اس ہندو لفظ سے پوری طرح ناواقف ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو لکھتے ہیں:

> ''ہمارے قدیم مذہبی ادب میں تو ہندو لفظ کہیں آتا ہی نہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ اس لفظ کا حوالہ ہمیں جو کسی ہندوستانی کتاب میں ملتا ہے وہ آٹھویں صدی عیسوی کے ایک تانترک گرنتھ میں ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ لفظ بہت قدیم ہے اور اویستا میں اور قدیم فارسی میں آتا ہے۔'' (ہندوستان کی کہانی، ہندی، ص ۷۸)

حقیقت یہ ہے کہ قدیم ہندوستانی لوگ اس لفظ سے نابلد تھے۔ سب سے پہلے اس کا استعمال قدیم ایرانیوں اور عربوں نے کیا اور وہ بھی صرف جغرافیائی یا ایک مخصوص قوم و آبادی کے ترجمان کی حیثیت سے۔ کیونکہ یہ معنی ایک خاص مذہب تو گیارہویں صدی عیسوی یا اس کے بعد کی ایجاد ہے۔

(تاریخ طبری، جلد ۳، ص ۱۶۵، طبقات ابن سعد، جلد ۱، ص ۳۳۹)

ہندی زبان کے مشہور قومی شاعر اور مفکر رام دھاری سنگھ دِنکر لکھتے ہیں:

> ''ہندو لفظ ہمارے قدیم ادب میں نہیں ملتا ہے۔ بھارت ورش میں اس کا سب سے پہلا ذکر آٹھویں صدی عیسوی میں لکھے گئے ایک تنتر گرنتھ میں ہے۔ جہاں اس لفظ کا استعمال مذہبی معنی یا مذہبی رسم کے طور پر نہیں کیا گیا ہے بلکہ ایک گروہ یا ذات کے معنی میں کیا گیا ہے۔''

(دِنکر، رام دھاری سنگھ، سنسکرتی کے چار ادھیائے، ص ۳۶)

مشہور ہندو محقق رجنی کانت شاستری اس تعلق سے یوں رقم طراز ہیں:

> ''اگر چہ لفظ ہندو پارسیوں کی ہزاروں سال پہلے لکھی مذہبی کتاب ''دساتیر'' میں ملتا ہے جس میں ہمارے ملک کو ہند اور ہمیں ہندو کہہ کر پکارا گیا ہے۔ چنانچہ دساتیر میں مرقوم ہے ''اکنوں برہمن ویاس نام از ہند آمد بس دانا کہ عقل چناں نیست''، یعنی ویاس نامی ایک برہمن ہند سے آیا جس کے برابر کوئی دوسرا عقل مند نہیں۔''

یقیناً یہ ویاس مہابھارت اور اٹھارہ پرانوں کے قلم کار مہرشی کرشن دوے پاین وید ویاس ہی ہوں گے تبھی ان کی عقل مندی کو بے مثال کہا گیا ہے۔ اور اسی کتاب میں ''ہندی'' لفظ کا استعمال ہند والے کے معنی میں ہوا ہے۔ مثلاً:

چوں ویاس ہندی بلخ آمد   گشتاشپ زبردشت را خواند

یعنی جب ہند والا ویاس بلخ آیا تو ایران کے بادشاہ گشتاشپ نے زبردشت کو بلایا۔ یہ زبردشت یا زرتُشت پارسی دھرم کا بانی تھا۔ نیز آگے لکھا ہے:

من مردے ام ہند نزاد، و ہند باز بازگشت۔

یعنی میں ہند میں پیدا شدہ ایک مرد ہوں اور پھر وہ ہند کو لوٹ گیا۔

(شاستری، رجنی کانت، ہندو جاتی کا اتھان اور پتن، ص ۳، ۴)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''ہندو'' لفظ کی اصل یا ماخذ اور اس کا معنی و مفہوم کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں ہندو دھرم اور ہندوستان کی تاریخ سے متعلق مختلف کتب میں بہت سے حوالہ جات و اقوال موجود ہیں لیکن قریب قریب سب کا ماحصل ایک ہی معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ بھارت کا یہ نام غیر ملکیوں کا دیا ہوا ہے۔ سنسکرت اور ویدوں کے عظیم

محقق ومفکر ڈاکٹر وید پرکاش اُپادھیائے، ویوگ ہری، سوامی اننیا نند، ہندی کے مشہور قومی شاعر رام دھاری سنگھ دنکر اور ممتاز ہندو محقق رجنی کانت شاستری لکھتے ہیں کہ:

''اہلِ علم کا خیال ہے کہ ہند لفظ جو کہ غیر ملکیوں بالخصوص پارس والوں کے ذریعے اس ملک کا نام رکھا گیا ہے ''سندھو'' لفظ سے جو پنجاب کی ندی کا نام ہے سے نکلا ہے، پھر اسی ہند لفظ سے ہندو اور ہندی ان دونوں لفظوں کا اشتقاق ہوا۔ ہند لفظ سے پارس والوں کا مطلب سندھو ندی کے پار والے (پار ورتی) ملک سے ہے۔ ہندو لفظ سے ہند کے باشندوں سے اور ہندی لفظ سے ہند کے باشندوں کی زبان سے تعلق ومقصود تھا۔ پارس والے جہاں ہم س (سا) بولتے ہیں وہاں اکثرہ (ہا) کا استعمال کرتے ہیں۔ جیسے سپت- ہفت، اَسُر- اَہر، سرسوتی- ہرہوتی اور سپت سندھو- ہفت ہندو وغیرہ۔ اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سندھو سے ہندو اور ہند سے ہندو اور ہندی یہ دو لفظ پیدا ہوئے۔ یونانی (Greeks) سندھو ہندی کو انڈس (Indus) سندھو کے پار والے ملک کو انڈیا (India) اور وہاں کے رہنے والوں کو انڈینس (Indians) کہتے تھے۔ ہم نے بھی ان ناموں کو ان کے تعلق اور میل ملاپ میں آکر اپنا لیا تھا اور آج بھی ہم یوروپین (Europian) کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے اپنا تعارف انڈین (Indian) کہہ کر ہی کراتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح ہم نے پارس والوں کے ہند، ہندو اور ہندی لفظوں کو ان کے ساتھ قدیم زمانے میں اپنی قربت کے سبب اپنا لیا تھا۔ (شاستری، رجنی کانت، ہندو جاتی کا اتھان اور پتن، ص ۱، ۲، ہندوستان کی کہانی، ہندی، ص ۸۷)

ہندی زبان کا آغاز وارتقاء

آج ہم جس زبان سے بنام ہندی متعارف ہیں وہ جدید آریائی زبانوں میں سے ایک ہے۔ آریائی زبان کا قدیم ترین روپ وید کی سنسکرت ہے، جو ادب کی عقیدت سے معمور زبان تھی۔ اسی زبان میں وید، سنہتا، اپنشد اور ویدانت وغیرہ ہندو مذہبی کتب کی تخلیق ہوئی ہے۔ مذہبی کتب کی زبان کے ساتھ ساتھ یہی عام بول چال کی زبان تھی جس کو دنیاوی سنسکرت بھی کہا جاتا ہے۔ سنسکرت کا عروج وارتقاء شمالی ہندوستان میں بولی جانے والی ویدوں کے دور کی زبانوں سے مانا جاتا ہے۔ تخمینی طور پر آٹھویں صدی قبل مسیح میں اس کا استعمال ادب میں ہونے لگا تھا۔ سنسکرت زبان میں ہی رامائن اور مہابھارت جیسے مذہبی گرنتھ (کتاب) تالیف کیے گئے اور بالمیکی، ویاس، کالی داس، اشوگھوش، ماگھ، بھوبھوتی، وِشاکھ، ممٹ، دنڈی اور شری ہرش وغیرہ سنسکرت زبان کی ہی عظیم ہستیاں ہیں۔ اس طرح سنسکرت ادب دنیا کے خوشحال ادب میں سے ایک ہے۔

سنسکرت کے دور کی بنیادی بول چال کی زبان تبدیل ہوتے ہوتے پانچ سو قبلِ مسیح کے بعد تک کافی متغیر ہوگئی، جس کو پالی کے نام سے یاد کیا گیا۔ مہاتما بدھ کے زمانہ میں پالی عوامی زبان تھی اور انھوں نے پالی کے ذریعے ہی اپنی تعلیمات وہدایات ونصائح کی تبلیغ واشاعت کی۔ غالباً یہ زبان پہلی صدی عیسوی تک رائج رہی۔ بعد ازاں پالی زبان اور متغیر ہوئی اور پھر اس کو پراکرت (Parakirt) کا نام دیا گیا۔ اور اس کا دور پہلی صدی عیسوی سے پانچ سو عیسوی تک رہا۔ پالی کے تحت آنے والی یا پالی سے ملتی جلتی دوسری زبانوں کی صورت میں پراکرت زبانیں پچھمی (مغربی) پوربی (مشرقی) پچھم اتری (مغربی شمالی) اور مدھیہ دیشی (وسط ملکی) زبانوں کی شکل میں مقبول ہوئیں، جن کو ماگدھی، شورسینی، مہاراشٹری، پیشاچی، براچڈ اور اردھ ماگدھی بھی کہا جاسکتا ہے۔ بعدۂ زمانۂ آئندہ میں پراکرت زبانوں کی علاقائی صورتوں سے اپبھرنش (مسخ شدہ یا بگڑی ہوئی) زبانیں معرض وجود میں آئیں۔ ان کا عہد پانچ سو عیسوی سے ایک ہزار عیسوی تک مانا جاتا ہے۔ اپ بھرنش زبان ادب کی خاص طور سے دو قسمیں ملتی ہیں: (۱) پچھمی ہندی (۲) پوربی ہندی۔ پچھمی ہندی شورسینی اپ بھرنش سے ترقی پذیر ہوئی ہے۔ اس میں قنوجی، بانگڑو، بندیلی، کھڑی بولی اور برج یہ پانچ بولیاں ہیں، جن میں آخر الذکر دو خاص ہیں۔ ان دونوں میں اول کا ادب، دوسری کے قدیم ادب سے کافی ترقی یافتہ ہے۔ کھڑی بولی اپنے ادبی روپ میں

''ہندی'' نام سے مشہور ہوئی اور یہی ہندوستان کی سرکاری زبان ہے۔اس کا عربی، فارسی لفظوں سے مزین دوسرا روپ ''اردو'' ہے۔ جو مخصوص قسم کے شعروادب کے نظریے سے کافی خوشحال ہے۔ کھڑی بولی وغیرہ کے لیے ناگری رسم الخط کا استعمال ہوتا ہے اور اردو کے لیے عربی کے ترمیم شدہ رسم الخط کا۔ ہندی اردو کا ملا جلا روپ ہندوستانی کہلاتا ہے۔ پوربی ہندی نے اردھ ماگدھی اپ بھرنش سے عروج پایا ہے۔اس میں اودھی، بگھیلی اور چھتیس گڑھی تین بولیاں ہیں۔قدیم ادب کے نقطۂ نظر سے اودھی مالدار زبان ہے جس کو تلسی اور جائسی جیسے اعلیٰ درجے کے کوی (شاعر) حاصل ہوئے ہیں۔

(تیواری، ڈاکٹر بھولا ناتھ، بھاشا و گیان کوش، گیان منڈل لمیٹڈ، وارانسی، ۲۰۲۰، سموت، ص ۷۲ تا ۷۴۱، تیواری، ڈاکٹر بھولا ناتھ، بھاشا و گیان، کتاب محل، الہ آباد، ۱۹۵۱ء، ص ۱۹۴-۱۹۵)

مختصر یہ کہ قیاس کے مطابق ایک ہزار عیسوی کے قریب اپ بھرنش کی مختلف علاقائی زبانوں سے جدید آریائی زبانوں کی نشوونما ہوئی اور اپ بھرنش سے ہی ہندی زبان کی تخلیق ہوئی۔ ہندی زبان و ادب کے ماہرین اپ بھرنش کی آخری شکل وصورت ''اوہٹھ'' سے ہندی کی ولادت تسلیم کرتے ہیں۔ بعض ماہرینِ زبان نے اسی ''اوھٹھ'' کو قدیم ہندی کا نام دیا ہے۔

جدید آریائی زبانوں میں ہندی بھی ہے، جس کی پیدائش ایک ہزار عیسوی کے قریب ہوئی لیکن اس میں ادبی تخلیق کا عمل گیارہ سو پچاس عیسوی یا اس کے بعد تیرہویں صدی میں شروع ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاری پرساد دویدی ہندی کو دیہاتی اپ بھرنشوں (بگڑی ہوئی زبانوں) کا روپ مانتے ہیں۔اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ موجودہ ہندی زبان جو کہ دنیا کی مشہور اور ہندوستان کی سرکاری زبان ہے وہ سنسکرت کے الفاظِ صحیح، مسخ شدہ، تبدیل شدہ اور مختلف علاقائی زبانوں کی مرہونِ منت ہے۔

(تیواری، ڈاکٹر بھولا ناتھ، بھاشا و گیان کوش، گیان منڈل لمیٹڈ، وارانسی، ۲۰۲۰، سموت، ص ۷۲ تا ۷۴۱)

لسانیات کے ماہرین و محققین ہندی اور اردو کو ایک ہی زبان خیال کرتے ہیں۔فرق صرف اتنا ہے کہ ''ہندی'' دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور الفاظ کی سطح پر زیادہ تر سنسکرت کے لفظوں کا استعمال کرتی ہے جب کہ ''اردو'' فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے اور الفاظ کی صورت میں اس پر عربی وفارسی زبان کے لفظوں کا زیادہ اثر ہے۔لیکن جہاں تک عربی، فارسی اور انگریزی وغیرہ کے الفاظ کے استعمال کی بات ہے تو اس تعلق سے دونوں زبانوں میں کافی یکسانیت ہے۔ ہندی کے بابت اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے ماہر لسانیات ڈاکٹر بھولا ناتھ تیواری لکھتے ہیں:

> ''ہندی میں تقریباً پچیس سو عربی الفاظ، پینتیس سو فارسی الفاظ، تین ہزار انگریزی الفاظ، ایک سو پرتگالی الفاظ، سو سے زائد پشتو الفاظ اور تقریباً ایک سو پچیس ترکی الفاظ ہیں جن کا اس وقت ہندی میں دھڑلے سے استعمال ہو رہا ہے۔''

(تیواری، ڈاکٹر بھولا ناتھ، شبدوں کا جیون، راج کمل پرکاشن، نئی دہلی، ۱۹۷۷ء، ص ۵۴)

لفظی یکسانیت کے علاوہ اصول وقواعد کے اعتبار سے بھی اردو اور ہندی میں تقریباً سو فی صد مماثلت ہے۔صرف بعض چیزوں میں الفاظ کے اشتقاق وماخذ میں فرق ہوتا ہے۔ نیز کچھ مخصوص آوازیں اردو میں عربی اور فارسی سے لی گئی ہیں اور اسی طرح فارسی اور عربی کے کچھ خاص قواعد کی تشکیل کا طریقہ بھی استعمال ہوتا ہے۔اس طرح اردو اور ہندی کو کھڑی بولی کی دو اقسام کہا جاسکتا ہے۔

ہندوستانی زبانوں کے ماہرین و محققین نے ہندی کی چار اقسام یا چار شکلیں بیان کی ہیں:

(۱) خالص و اعلیٰ ہندی: یہ ہندی کا معیاری روپ ہے، جس کا رسم الخط دیوناگری ہے۔اس میں سنسکرت زبان کے بہت سے الفاظ ہیں، جنھوں نے فارسی، عربی اور انگریزی وغیرہ کے بہت سے الفاظ کی جگہ لے لی ہے۔ یہ کھڑی بولی پر منحصر ہے۔

(۲) دکھنی: یہ اردو اور ہندی کی وہ شکل ہے جو حیدرآباد اور اس کے اطراف واکناف میں بولی جاتی ہے۔اس میں فارسی اور عربی کے الفاظ بمقابل اردو کم ہوتے ہیں۔

(۳) ریختہ: یہ اردو کا وہ روپ اور وہ قسم ہے جو شاعری میں استعمال ہوتا ہے۔

(۴) اردو: یہ ہندی کا وہ روپ ہے جو عربی وفارسی رسم الخط میں لکھا جاتا ہے۔اس میں سنسکرت کے الفاظ قلیل ہوتے ہیں اور عربی وفارسی کے کثیر۔اس کا بھی کھڑی بولی پر مدار ہے۔اور کھڑی

بولی کی ان دونوں اقسام یعنی اردو اور ہندی کو ہندوستانی زبان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

مسلم صوفیاء، علماء، شعراء اور سلاطین کا ہندی سے تعلق

ہندوستان گنگا جمنی تہذیب اور عقیدت ومحبت کی سرزمین ہے۔ اس کے ذرّہ ذرّہ میں کچھ ایسی مقناطیسی قوت رہی ہے کہ دنیا کی ساری قومیں اور مذہبی اکائیاں اس کی طرف شروع سے ہی متوجہ رہی ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے ہمارا یہ عزیز ملک نہ صرف ہمیشہ انسانیت ومروت کا مرکز بنا رہا بلکہ اس کا سماجی ماحول اور معاشرتی زندگی گوناگوں مذہبی و روحانی اثرات سے معمور رہا۔ کیونکہ علم سماجیات کا عام اصول ہے کہ جب دو یا چند عظیم ثقافتیں وتہذیبیں باہم قریب ہوتی ہیں تو ان میں گفت وشنید، نشست وبرخاست، تبادلۂ خیالات، باہمی تعلقات ومیل جول اور آپسی معاملات ولین دین کی وجہ سے بہت سے اثرات معرض وجود میں آتے ہیں۔ اسی باعث اس وطنِ عزیز میں نت نئے افکار و نظریات نے جنم لیا۔ افکار ونظریات کے اختلاف نے نہ صرف ہندوستانی تہذیب کو عروج بخشا بلکہ مختلف تہذیبوں کے اتصال وربط کا راستہ ہموار کیا اور ایک دوسرے کے خیالات اور نظریات کو سمجھنے کا بھی موقع فراہم کیا۔ جس کے نتیجے میں ایک مشترکہ تہذیب کی نشوونما ہوئی۔

مشترکہ تہذیب ہندوستان کی ایک امتیازی شان ہے جس کی نشوونما میں صوفیاء کرام، علماء عظام اور مختلف مذاہب کے سادھوؤں، سنتوں اور دھرم گروؤں کا اہم کردار رہا ہے۔ اپنے خیالات اور تعلیمات کی تبلیغ واشاعت کے لیے نہ صرف انھوں نے رواداری، امن وآشتی کا طریقہ اختیار کیا بلکہ عوام کے قلوب تک پہنچنے کے لیے انھیں کی زبان استعمال کی۔ کیونکہ عوام کو متاثر کرنے اور ان کو قریب کرنے کے لیے ان ہی کی زبان میں گفتگو کرنا ضروری ہے۔ اسی کے بعد ایک دوسرے کے خیالات ونظریات میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے تبلیغ وتعلیم کے لیے انھوں نے جہاں دیگر اصول وطریقے اپنائے وہاں اس علاقہ کی رائج زبانوں پر دسترس حاصل کی تاکہ بحسن وخوبی اپنا پیغام عوام تک پہنچا سکیں۔ چنانچہ اشاعتِ اسلام کی ہندوستانی تاریخ شاہد ہے کہ جو بھی صوفیاء اور علماء سرزمینِ ہندوستان میں دیگر ممالک سے تشریف لائے یا ہندوستان میں پیدا ہوئے وہ متبحر عالم وفاضل اور مفتی ہونے کے باوجود دیگر زبانوں کے بھی عالم ومتکلم ہوتے تھے اور عوام سے انھیں کی مادری وعلاقائی زبان میں گفتگو اور تبلیغ وتعلیم فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً: ابوریحان محمد بن احمد البیرونی (پ ۹۷۳-۱۰۵۰ء) مایہ ناز اسلامی محقق وعالم ہونے کے ساتھ ساتھ ہندو دھرم اور سنسکرت کے ایسے عظیم اسکالر تھے کہ جن کو اہلِ علم ودانش ہندو دھرم کے حوالہ سے بھی ایک مستند ومتبحر عالم کی حیثیت سے جانتے اور مانتے ہیں۔ اور آپ کی شاہکار تصنیف ''تحقیق ماللہند'' ہندو دھرم کے تعلق سے ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ سلطان بلبن کے دور میں مشہور صوفی بزرگ اور اولیاء اللہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر، شیخ بہاؤالدین، شیخ بدرالدین اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جیسے اکابرین ہوئے ہیں جن کے کلام میں ہندی شاعری کے اثرات موجود ہیں۔ جلال الدین خلجی کے عہد میں مشہور صوفی بزرگ حضرت نظام الدین اولیاء گزرے ہیں ان کی بھی ہندی نگارشات ملتی ہیں اور حضرت امیر خسرو (پ ۱۲۵۳ء، م ۱۳۲۵ء) کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ یہ نظام الدین اولیاء کے شاگرد رشید ومرید خاص تھے اور علاء الدین خلجی کے دربار میں ماہر موسیقی کی حیثیت سے وابستہ تھے۔

(شیرانی، محمود، پنجاب میں اردو، لکھنؤ، مکتبہ کلیان، ۱۹۶۰ء، ص ۱۴۴، تمدنی جلوے، ص ۶۰)

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (پ ۱۳۲۱ء م ۱۴۲۲ء) دکن کے بہت عظیم صوفی عالم ہیں۔ گلبرگہ کرناٹک میں آپ کی عظیم الشان خانقاہ ومزار ہے۔ آپ نے اپنے دور میں ہندوؤں کے فرضی قصوں کو مسلمانوں کی اخلاقی تعلیم کے لیے مثالی طور پر استعمال کیا ہے۔ حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی (۱۵۸۷ء-۱۶۴۸ء) سلسلہ چشتیہ کے عظیم بزرگ گزرے ہیں وہ ہندو مذہب کی معلومات سے دلچسپی رکھتے تھے اور سنسکرت کے بھی زبردست عالم تھے اور ان کی اس سلسلے میں کچھ تصانیف بھی پائی جاتی ہیں۔ خود مولانا امام احمد رضا خاں ہندو دھرم پر گہری نظر رکھتے تھے جیسا کہ ''فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم قدیم کے رسالہ ''انفس الفکر فی قربان البقر'' سے بخوبی ظاہر ہے۔

(ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص ۱۹، ہند اسلامی تہذیب کا ارتقا ۵۳، ۷۵)

صوفیاء وعلماء کے علاوہ مسلم سلاطین اور ان کے درباری شعراء کا بھی ہندی سے کافی شغف تھا۔ ہندی زبان اور اس کے علم وادب سے محمود غزنوی کو جو دلچسپی تھی اس کی دوسری مثال تاریخ کے صفحات میں نہیں ملتی۔ اس کے قابلِ ذکر شعراء میں خواجہ مسعود سعد سلمان بھی ہے، جو اس کے دور کا مشہور فارسی گو شاعر تھا لیکن اس کی ہندی شاعری کا بھی

تذکرہ ملتا ہے۔ حضرت امیر خسروں نے بھی سلمان کے ہندی دیوان کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں محمود غزنوی کی علم دوستی و سرپرستی نے سنسکرت کو بھی نوازا اور اپنے سکوں پر سنسکرت کے الفاظ کندہ کرائے۔ (فیروزسی، ایران ان انڈیا تھرو دی ایجز، دہلی، ممبئی، دادر ایشیا پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۶۲ء ص ۱۴۴ لباب الباب (محمد عوفی) جلد ۲ ص ۲۴۶)

فیروز تغلق بھی ہندی کے شعراء کا خاص خیال رکھتا تھا۔ رتن شیکھر نامی ہندو شاعر سے اس کو بہت انس تھا۔ ہندی کے صوفی شاعر ملا داؤد نے اپنی عشقیہ تخلیق ''چنداین'' اسی عہد میں مکمل کی تھی۔ (تمدنی جلوے، ص ۶۱، ہندی ادب کے بھکتی کل پر مسلم ثقافت کے اثرات، ص ۳۵)

سترہویں صدی یعنی دورِ جہانگیری میں ملا مسیح پانی پتی ہندی کا مشہور شاعر اور سنسکرت قواعد کا زبردست عالم تھا۔ جس نے فارسی میں رامائن کا منظوم ترجمہ کیا، جو رامائن مسیحی کے نام سے مشہور ہے اور منشی نول کشور پریس سے طبع ہوا ہے۔ دورِ جہانگیری کے ضمیر شاعر نے بھی ہندی میں شاعری کی تھی۔ غواصی بھی اسی دور کا ہندی شاعر تھا جس نے طوطی نامہ کا فارسی سے ہندی میں منظوم ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ ملا نوری، شیخ محمد بن شیخ معروف دونوں ہندی کے عمدہ شاعر تھے۔ جن کا تذکرہ آزاد بلگرامی نے بھی کیا ہے۔ (علمی اجالے، ص ۱۶)

اسی طرح عبدالرحیم خان خاناں (۱۵۵۶ء-۱۶۲۷ء) مرزا جانِ جاناں مظہر (۱۶۹۹ء-۱۷۸۱ء) اور ملک محمد جائسی (۱۴۶۷ء-۱۵۴۲ء) جیسے بہت سے ایسے مسلم صوفیاء، علماء و شعراء گزرے ہیں کہ جنھوں نے ہندی اور علاقائی زبانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ اور ہندی شعر و ادب کی دنیا میں اپنا ایک منفرد و نمایاں مقام بنایا ہے۔

مسلم علماء، صوفیاء، شعراء اور سلاطین کا ہندی ادب سے یہ شغف اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ یہ حضرات کسی زبان کے مخالف نہ تھے۔ وہ مختلف علاقوں اور بستیوں اور ان کی زبانوں سے ویسا ہی تعلق رکھتے تھے جیسے اپنی مادری زبان سے۔ چنانچہ محمود شیرازی لکھتے ہیں:

''شروع سے ہی مسلمانوں کا تعلق ہندی ادب سے رہا۔ چنانچہ بھکتی اور ریتی کال (دور) میں مسلم صوفی اور غیر مسلم صوفی شعراء اور سلاطین وقت نے ہندی ادب کے حوالہ سے بھی مثالی اہم کردار ادا کیا۔'' (شیرانی محمود، پنجاب میں اردو، لکھنؤ، مکتبہ کلیان، ۱۹۶۰ء، ص ۲۷)

مختصر یہ کہ مسلم اہل علم و دانش جہاں جہاں بھی پہنچے انھوں نے علاقائی یا مقامی زبان اور ان کے خیال و ادب کو اپنے سانچے میں ڈھالنے اور اپنانے کا رویہ اختیار کیا جس کے نتیجے میں عربی، ترکی اور پہلوی یا فارسی زبان کو مسلم ثقافت کی خاص زبان اور اس کے ادب کو اس کا مخصوص ادب کہا جانے لگا۔ رواداری کے اسی پہلو کے پیش نظر مسلمانوں نے سنسکرت زبان بھی سیکھی۔ اس حوالہ سے ''البیرونی، داراشکوہ، عبدالرحیم خان خاناں'' بطورِ خاص قابل ذکر ہیں۔ نیز مسلم حکمرانوں نے سنسکرت کی سرپرستی بھی کی۔ اس کے بعد جب ہندی کا رواج بڑھا تو اس زبان کی خصوصیات کے تحت اس کو بھی مکمل طور پر قبول کیا۔ چنانچہ ترکی، فارسی اور ہندی کو ایک دوسرے کے قریب کرنے میں حضرت امیر خسرو کی شخصیت اور ان کا شعری و نثری سرمایہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ مثلاً ان کے یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

فارسی بولی آئینہ ترکی ڈھونڈھی، پائی نا
ہندی بولی آرسی آئے خسرو کہے کوئی نہ بتائے

(داس، برج رتن، امیر خسرو کی ہندی کویتا، کاشی، ناگری پرچارنی سبھا ۲۰۱۰ بکرمی، ص ۲۰)

صوفی شاعر ملک محمد جائسی نے بھی اس کو خوب خوب فروغ بخشا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

ترکی، عربی، ہندوی بھاشا جیتی آنہی
جیہہ منہہ مارگ پریم کا ہے سراہیں تانہی

(شکلا، رام چندر، جائسی گرنتھاولی، پدماوت، اکھراوٹ، آخری کلام، کاشی، ناگری پرچارنی سبھا، ۲۰۱۷ بکرمی، ص ۳۰۱)

بابا فریدالدین گنج شکر (م ۶۶۴ھ) کہتے ہیں:

جوبن جائے تو جائے، پر پیا کی پیت نہ جائے
دیکھ سکی جوبن کتنے، بن پریت کے کمھلائے

بوعلی شاہ قلندر پانی پتی (م ۷۲۴ھ) فرماتے ہیں:

سجن سکارے جائیں گے اور نین مریں گے روئے
بدھنا ایسی رین کر بھور کدھی نہ ہوئے

(سیدہ جعفر، گیان چند جین، تاریخ ادب اردو، ج ا ص ۷۷، ۳۸۳)

نعت ومنقبت وغیرہ میں ہندی الفاظ کا استعمال:

ہندی، اردو یا ہندوستانی زبان کی ابتدائی و ارتقائی تاریخ میں طبقۂ صوفیاء و علماء میں ایسے نفوس بھی ایک اچھی تعداد میں رہے ہیں کہ

جن کو شعر و سخن سے کافی دلچسپی تھی اور یہ ذوق فطری اور قدرتی طور پر ان میں ودیعت تھا۔ چنانچہ انھوں نے ہندی و علاقائی زبان میں نعتیں، منقبتیں، رباعیات، گیت، چھند اور دوہے وغیرہ لکھے۔ جس کے ذریعے وہ نبیٔ اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس اور بزرگ اکابرین کے دربار پروقار میں نذرانۂ عقیدت پیش کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ وہ اس کو نہ صرف خیر و برکت اور نجات و مغفرت کا ذریعہ تصور کرتے تھے بلکہ اسلامی تعلیمات اور پیغام رسالت ﷺ کو امتِ اجابت و دعوت تک پہنچانے کا طریقہ سمجھتے تھے۔ بقول مومن خاں مومن:

اس سہارے پر پڑھی مومن نے نعتِ مصطفی
حشر میں شاید نجاتِ دائمی مل جائے گی

اور بقول قمر شمس آبادی:

اسی یقین سے پڑھتے ہیں نعتِ پاک رسول
گنہ گار ہیں شاید نجات ہو ہی جائے

ہندی ادب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم صوفیاء، علماء اور شعراء نے قدیم ہندوستانی شعر و ادب کی اہمیت کو بھی خوب اچھی طرح سے جانا، پہچانا اور فروغ بخشا۔ ہندی، ہندوستانی و علاقائی زبانوں میں دیگر تخلیقات کے ساتھ ساتھ بارگاہِ رسول اور بارگاہِ اولیاء میں بھی عمدہ اسلوب میں قصیدہ خوانی فرمائی۔ جن میں ملک محمد جائسی، امیر خسرو، نور محمد، مناظر احسن گیلانی اور الیاس برنی وغیرہ بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔ چنانچہ ملک محمد جائسی کہتے ہیں:

باس سباس لیوہیں جہاں　　ناؤں رسول پکاریں تہاں

(جہاں جہاں انسانوں کی آبادی رہی رسول کا نام وہاں پکارا گیا یعنی رسول آئے۔)

سوالاکھ پیغمبر سرجیو　　ساتھ کھنڈ بیکنٹھ سنواریو
رتن ایک دھنے اوتارا　　ناؤ محمد جگ اُجیارا

(یہاں اوتار سے مراد رسول ہے۔ اور اوتار کا لغوی معنی ہے بھیجا ہوا، اتارا ہوا، اور یہی رسول کے معنی بھی ہیں۔)

(جائسی گرنتھاولی، آخری کلام، ص ۳۴۷، ۳۵۷، ۳۴۱)

چار میت جو محمد ٹھاؤں　　جنہیں دینہہ جگ نرمل ناؤں

(چار یار جو محمد ﷺ سے بہت قریب تھے اور جن کو دنیا نے بہترین نام سے یاد کیا۔)

گگن ہتا نہیں مہی ہتی ہتے چند نہیں سور
ایسی اندھ کوپ مہہ رچا محمد نور

(جائسی گرنتھاولی، پدماوت، ص ۵، اکھراوٹ، ص ۳۰۳)

قیامت کا منظر اور حضور انور ﷺ کی شفاعتِ کبریٰ کا نقشہ پیش کرتے ہوئے ملک محمد جائسی کہتے ہیں:

سوالاکھ پیغمبر جیتے　　اپنے اپنے پائیں تیتے
ایک رسول نہ بیٹھ چھاہاں　　سب ہی دھوپ لیہیں سرماہاں
کہب رسول کہ آیسو پاوؤں　　پہلے سب دھرمی کے آوؤں

(جائسی گرنتھاولی، آخری کلام، ص ۳۵۰)

(سوالاکھ پیغمبر سب کے سب سایہ میں نہ بیٹھ کر دھوپ میں رہیں گے اور اپنی اپنی اُمت کی شفاعت کریں گے۔ پھر رسول کہیں گے کہ اجازت مل گئی۔ اس سے پہلے سب نیک لوگوں کو لے آؤ۔)

حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں:

رینی چڑھی رسول کی سو رنگ مولی کے ہاتھ
جس کے کپرے رنگ دیے سو دھن دھن وا کے بھاگ
ساجن یہ مت جانیو توہے بچھڑت موہے کو چین
دیا جلت ہے رات میں اور جیا جلت بن رین
خسرو سریر سرائے کیوں سووے سکھ چین
کوچ نگارا سانس کا باجت ہے دن رین

ہندی شاعر نور محمد اپنی شاہکار تخلیق اندراوتی میں بارگاہِ رسول میں یوں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں:

پہلے نور محمد کینہا　　پاچھے تیہک جتا سب کینہا
اپنی دشت جائی جیہ کیری　　سو ہیں تہیں وہ جوت ست تیری

(پہلے نور محمد پیدا کیا، پھر پوری دنیا پیدا کی۔ اپنی نظر جس طرف جاتی ہے سو ہیں تہیں وہ جوت ست تیری)

نس دن سمر محمد ناؤں　　جاسوں ملے سرگ میں ٹھاؤں

(ہر دن محمد ﷺ کا نام یاد کرو اسی سے جنت میں جگہ ملے گی۔)

(نور محمد، اندراوتی، ۱۹۰۶، ص ۹۶)

علامہ مناظر احسن گیلانی بزبانِ ہندی اس طرح اللہ کے رسول ﷺ کی مدح خوانی کرتے ہیں:

پیارے محمد جگ ساجن　　تم پر واروں تن من دھن

تمہری صورتیاں من موہن   کبھو کرائیو تو درشن
جیا کنھڑے ولواترے   کڑکا کڑے، بدرابرے
صلی اللہ علیک مینا

(آزاد، دھرمیندر ناتھ، پروفیسر، ہمارے رسول، نئی دہلی، سفارت جمہوری ایران، ۲۰۱۱ء، ص ۱۴۰)

اور الیاس برنی اپنی محبتوں کا اس طرح خراج پیش کرتے ہیں:

لاج رکھیو نبی جی ہماری
میں تو چیری جی سے تمہاری
لاگی پریم کی من میں کٹاری
جا کے تم بن کرے کون کاری
ایسے من میں بسے ہیں محمد
جاؤں جا پہ بلہاری
مورا جیرا تم پہ واری

(ہمارے رسول، ص ۱۴۱)

احد احمد کا بھید جو پایا یہ چتر رنگ وہ گایا جی
بے رنگی سے رنگ میں آیا وہ بدھ روپ دکھایا جی
خودی کنوائے خدا کو پائے یہ منتر من بھایا جی
جاؤں واجد گرو کے بلہاری جن یہ بھید بتایا جی

(ہمارے رسول، ص ۱۴۴)

ہندی یا ہندوستانی زبان میں صرف مسلم صوفیاء علماء اور شعراء نے ہی مدح سرائی نہیں کی ہے بلکہ اس سلسلے میں ہندو سنتوں، دھرم گروؤں اور کویوں کی بھی ایک طویل فہرست ہے کہ جنھوں نے بزبان ہندی صرف نعتیہ و منقبتیہ کلام ہی نہیں پیش کیا ہے بلکہ شاید و باید ہی اسلام کا کوئی گوشہ ایسا ہو کہ جس کو انھوں نے ہندی شعر و سخن کے سانچے میں نہ ڈھالا ہو۔ یہ اسی کاوش کا نتیجہ ہے کہ ہندی ادب میں اسلام کی بھورنگی چھاپ نظر آتی ہے۔ آپ خود ہی ملاحظہ فرمایئے۔
مشہور ہندو سنت داود دیال کہتے ہیں:

دل دریا میں غسل ہمارا وضو کر چت لاؤں
صاحب آگے کروں بندگی بیر بیر بلی جاؤں
کیا وضو پاک کیا منھ دھویا کیا میست سر لایا
جو دل میہ کپٹ نواج گزارہو کیا حج کعبے جایا

(دل کے دریا میں ہمارا غسل ہو وضو کریں، دل لگائیں، مالک کی بندگی کریں اور بار بار قربان ہوں۔ وضو کے ذریعے منھ دھونے کا کیا فائدہ، مسجد میں جا کر سجدہ کرنے کا کیا فائدہ؟ اگر دل میں بغض ہے تو نماز پڑھنے اور کعبہ جا کر حج کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔)

بہشت دوزخ دین دنیا چکارے رحمان
میر میری پیر پیری فرشتہ فرمان
آب آتش عرش کرسی دیدنی دیوان
ہر دو عالم خلق خانہ موماں اسلام

زور نہ کرے حرام نہ کھائی
سو مومن بہشت ما جائی
سو مومن موم دل ہوئی
سائیں کو پہچانے سوئی

(دادو دیال کی بانی، الٰہ آباد، ویل ویڈیر پرنٹنگ ورکس، ۱۹۶۳ء، بھاگ ۱، ص ۶۳، ۱۳۰، ۱۲۹، بھاگ ۲، ص ۱۶۶)

سنت کبیر داس اس طرح گویا ہوتے ہیں:

اللہ اول دین کو صاحب جور نہیں فرماوے
نواج سوئی جو نیائی وچارے کلمہ اکلہہ جانے
پانچوں مس مصلی بچھاوے تب تو دین پہچانے

(اللہ تعالیٰ دین میں کوئی زبردستی نہیں فرماتا ہے نماز اسی کی ہے جو عدل سے کام لے اور کلمہ اسی کے لیے ہے جو عقل سے سمجھے۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھنے والا ہی دین کو پہچان سکتا ہے۔)
(شیام سندر، ڈاکٹر، کبیر گرنتھاولی، وارانسی، ناگری پرچارنی سبھا، آٹھواں ایڈیشن، ص ۲۵۳ / ۲۵۴)

بابا ملوک داس فرماتے ہیں:

جو پیاسے کو دیوے پانی   بڑی بندگی موحمد مانی
جو بھوکے کو ان کھواوے   سو تاب صاحب کو پاوے

(ملوک داس جی کی بانی، پریاگ، ویل ویڈیر پریس، تیسرا ایڈیشن، ۱۹۴۶ء، ص ۲۲)

بابا گرونانک اللہ، رسول اور قرآن کی اس طرح تعریف کرتے ہیں:

کل پروان کتیب قرآن   پوتھی پنڈت رہے پران
نانک ناؤ بھئی رحمان   کر کرتا تو، ایکو جان

کتھے نورِ محمدی ڈٹھے نبی رسول
نانک قدرت دیکھ خودی گئی سب بھول
محمد من تو من کتاباں چار
من خدائے رسول نوں سچا ای دربار

(مشرا، جے رام، ڈاکٹر، نانک بانی، الہ آباد، منتر پرکاش، ۲۰۱۹ بکرمی، ص ۵۰۱، ہمارے رسول، ص ۵۹۰)

شہنشاہ اکبر کے دربار کے معروف ہندی کوی تان سین پیغمبر اسلام کی خدمتِ اقدس میں یوں محبت کے پھول پیش کرتے ہیں:

پاک محمد اللہ رسول تیرا ہی نور ظہور
دھن دھن پروردگار گنہ گار تو کرن جگ رم رہیو بھرپور
بچپن بچکن دے سمیوے نمن اول آخر توں ہی نکٹ تو ہی دور
جنت دیکھوں تت توں بیاپ رہیو جل تھل دھرتی آکاش تان سین۔۔۔ تو ہی حضور

(اگروال، سرلو پرساد، ڈاکٹر، اکبری دربار کے ہندی کوی تان سین کے دھروپد، لکھنؤ، یونیورسٹی، ۲۰۰۷ء، بکرمی، ص ۳۹۴)

بابا بھاگو داس اپنے خیالات کی اس طرح ترجمانی کرتے ہیں:

کانپت ہے تب سے جیا ہمرو — کون جتن لاگب پار
کیسے کرب آئے لے جاون ہار
بھاگو سوچ مت کچھو — ہیں محمد سب کو نباہن ہار
کیسے کرب آئے لے جاون ہار
سماج گون پیالے کے چلے — نہیں کوئی سکھی سنگ ہمار
کیسے کرب آئے لے جاون ہار

(ہمارے رسول، ص ۵۹۱)

دھرما، مراد بریلوی اپنے جذبات کا یوں گلدستہ پیش کرتے ہیں:

نینن پیار دیکھا سب جگ — تمہیں ہو دوسر نہیں اور
پیا اک بیر دیکھو نینن کی اور
کب دیہو درشن پیا محمد مو ہے — یہ ہی نس دن گور
پیا اک بیر دیکھو نینن کی اور

(ہمارے رسول، ص ۵۹۲)

اسی طرح سنت کبیر دار بناری نامِ محمد کی اہمیت و عظمت کو ریاضی کے ایک فارمولہ کے ذریعے بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ محمد کے عدد یا نمبر ۹۲ ہیں جو اس کائنات کی ہر شئی میں جلوہ گر ہیں:

عدد نکالو ہر چیز سے چوگن کرلو وائے
دو ملا کے پچگن کرلو بیں کا بھاگ جگائے
باقی بچے کے نوگن کرلو دو اس میں اور ملائے
کہت کبیر سنو بھائی سادھو نامِ محمد آئے

اور بابا گرودت داس اپنے جذباتِ محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

جہکا سبھی خدائے کہت ہیں
سب کے ہردے میں بسے بھرپور مگن
بہئے منوا نرکھت نور
لکھ گرودت اللہ الکھ
اب چل حاضر ہوؤ حضور
مگن بہئے منوا نرکھت نور

(ہمارے رسول، ص ۵۹۴)

دیوانِ رضا میں ہندی اور سنسکرت کے الفاظ کا استعمال

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں کے دیوان ''حدائقِ بخشش'' میں ہندی، ہندوستانی، علاقائی، بھوجپوری اور سنسکرت وغیرہ کے الفاظ اتنی کثیر تعداد میں موجود ہیں کہ جو ایک طویل تحقیقی مقالہ کے متقاضی ہیں۔ آپ نے اپنے نعتیہ کلام میں اس حسن و خوبی کے ساتھ ان کو نظم و منسلک کیا ہے کہ ماہرینِ لسانیات اور دانشورانِ شعر و ادب کو بارہا یہ کہتے سنا ہے کہ مختلف زبانوں کا ایسا حسین امتزاج اور سندر سنگم شاید و باید ہی کہیں دیکھنے کو ملتا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے زبان ہائے مختلف کو ایسا شعری جامہ پہنایا ہے کہ اگر وہ اشعار صرف اردو یا دیگر کسی ایک زبان میں ہوتے تو ہرگز وہ حسن اور ندرت آفرینی جلوہ گر نہ ہوتی جو دیگر زبانوں کے استعمال و اتصال سے کلام میں رونما ہوئی ہے۔

دیوانِ رضا میں مستعمل جملہ ہندی و سنسکرت الفاظ کا اس مختصر مقالہ میں تحقیقی جائزہ ہرگز نہیں لیا جا سکتا، اس کے لیے ایک طویل دفتر چاہیے سرِ دست ہم تین چار نعتوں کے ان اشعار کو یہاں رقم کر رہے ہیں جن میں ہندی الفاظ بکثرت وارد ہوئے ہیں۔ ہندی الفاظ کو ہم ہندی، سنسکرت اور اردو لغات کے حوالہ جات کے ساتھ اس طرح ذکر کریں گے کہ ہر لفظ کے سامنے لغت کا نام اور صفحہ نمبر درج ہوگا۔ ہندی الفاظ کی

لغوی اور معنوی وضاحت کے لیے ہم نے بالخصوص ’’آدرش ہندی شبد کوش، سنسکرت ہندی کوش اور فیروز اللغات‘‘ سے استفادہ کیا ہے۔ اس لیے حوالہ جات میں ہم بطورِ اختصار تینوں لغات کا مکمل نام نہ ذکر کر کے صرف ہندی لغت کے لیے ’’ہ‘‘ سنسکرت لغت کے لیے ’’س‘‘ اور فیروز اللغات اردو کے لیے ’’ف‘‘ ہی بار بار استعمال کریں گے۔

دیوانِ رضا میں مختلف زبانوں کے الفاظ کا انتہائی بے تکلفی اور آسانی سے استعمال بھی دیوانِ رضا کو ایک منفرد و یگانہ دیوان کی حیثیت سے متعارف کراتا ہے، اس لیے کہ آپ سے پہلے بھی اگرچہ اس طرز پر متعدد حضرات نے بہت ہی نادر اسلوب اور عمدہ پیرائے میں اشعار کہے ہیں لیکن مرورِ زمانہ کے پیشِ نظر آپ کے کلام میں اس نہج کا عروج وارتقاء نظر آتا ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۴۴ھ) فارسی کے ساتھ ساتھ ہندی میں الکھ داس کے نام سے شاعری کرتے تھے۔ ان کے یہاں فارسی اور ہندی کا کتنا حسین امتزاج ہے ملاحظہ فرمایئے:

صدق رہبر، صبر توشہ، دشت منزل، دل رفیق
ست نگری، دھرم راجا، جوگ مارگ (کذا)

(قادری، حامد حسن، داستان تاریخ اردو، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ص ۵۷)

یہی انداز اور یہی رنگ حضرت امیر خسرو کے یہاں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ مثلاً:

زحالِ مسکیں مکن تغافل، دورائے نیناں بتائے بتیاں
کہ تابِ ہجراں نہ دارم اے جاں نہ لیہوں کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف، وروزِ وصلش چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکا یک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں

(عبدالحق، مولوی، اردو کی نشو ونما میں صوفیاء کرام کا کام، نئی دہلی، انجمن ترقی اردو، ص ۱۲)

مقالہ کے عنوان کے تعلق سے یہ حقیقت بھی قارئین کے پیشِ نظر رہنا چاہیے کہ ہندی الفاظ کے ضمن میں ہی سنسکرت کے الفاظ کا بھی تذکرہ موجود ہے کیونکہ سنسکرت کے اکثر و بیشتر الفاظ پر ہی ہندی کا انحصار ہے۔ سنسکرت کے الفاظ ہندی میں یا تو بعینہٖ استعمال ہوئے ہیں یا مسخ و ترمیم شدہ انداز میں۔ مشتے نمونہ از خروارے ہم ایسے چند الفاظ کی فہرست ذیل میں پیش کر رہے ہیں جو سنسکرت اور ہندی میں یکساں طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ مثلا

جگ، راج، چندن، چندر، دروا، دھن،
بن، جھلجھل، نر، پتر، پرتھم، چتر، پتر،
ماتر، بھراتر، پاؤ،
ابھرو، چکشو، دنت، شیام،
چھایا، میگھ، پرتاپ،،
بھوم، تارا، سوریہ، روم، پنچم، وایو،
چندرما، گریشم،
آہار، گنو، مہش
اشو، شاکھا، ہلاہل، دام، دُھتر،
سپتم، ششم، اشٹم،
نوم، شت، ورشا، ہاتھو، سوسر،
ماش ورجال وغیرہ۔

دیوانِ رضا نے ہندی یا ہندوستانی زبان کے حوالہ سے ایک اور عظیم کارنامہ انجام دیا ہے اور وہ یہ کہ بہت سے الفاظ متروک ہو گئے تھے اور بہت سے الفاظ کمتر سمجھ کر حقارت و پستی کے تاریک غار میں ڈھکیل دیے گئے تھے لیکن مولانا احمد رضا خاں نے اپنے دیوان میں ان کو مناسب مقام اور موزوں شکل دے کر معراجِ لفظی اور ادبی بلندیوں سے ہمکنار کیا۔

مختصر یہ کہ اردو، عربی، فارسی، ہندی، سنسکرت اور ہندوستانی الفاظ کے حسین سنگم اور گنگا جمنی تہذیب کے بہترین تصور کی رعنائیاں دیوانِ رضا میں جا بجا بحسن و خوبی نظر آتی ہیں۔ آپ خود ہی ملاحظہ فرمایئے:

لَمْ یَاتِ نَظِیْرُکَ فِی نَظَرٍ مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: جگ: دنیا، ہ ۱۹۲، راج: حکومت، ہ ۷۵۳، تورے: تیرے، ہ ۲۵۸۔ اول الذکر دونوں الفاظ سنسکرت سے اخذ کیے گئے ہیں۔

البحر علا والموج طغی من بیکس وطوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: منجدھار: دریا کی بیچ دھار، ہ ۴۸۷، بگڑی: خراب شدہ، ف ۲۱۰، موری: میری، ہ ۵۲۲، نیا: کشتی، ناؤ، ہ۔

یاشمس نظرت إلی لیلی چو بطیبہ رسی عرض بکنی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: توری: تیری، ہ ۲۵۸، جوت: روشنی، س ۴۱۱، ہ ۲۰۵، جھل جھل: چمک دمک، س ۴۱۲، ۲۱۰، جگ: دنیا، سنسار، ہ ۱۹۲، س ۳۹۳، رچی: رچنا، سجنا، بسنا، ہ ۵۳۱، موری: میری، ہ ۵۲۲۔

لك بدر فی الوجه الاجمل خط ہالہ مہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: تورے: تیرے، ہ ۲۵۸، چندن: خوشبودار لکڑی، س ۳۷۱، ہ ۱۶۴، چندر: چاند، س ۳۷۱، ہ ۱۶۴، کنڈل: چاند یا سورج کا حلقہ و دائرہ، ہ ۱۰۳۵، بھرن: زور شور کی بارش جو دم بھر میں جل تھل کر دے، ف ۲۳۵۔ علاوہ ازیں بھرن ایک پیانہ ہوتا تھا اور دھات کا ایک برتن جو لگن کی طرح ہوتا تھا اس کو بھی بھرن کہتے تھے۔ اسی برتن میں اناج یا زر و جواہر یا لباس وغیرہ سجا کر راجستھانی راجہ مہاراجہ دیا کرتے تھے اسی کو بھرن دینا یا بھرن برسانا کہا جاتا تھا۔ آزادیٔ ہندوستان سے قبل یہ رواج میواڑ کے راجاؤں میں رائج تھا۔ (بستوی، سراج احمد، ڈاکٹر، مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری، دہلی، رضوی کتاب گھر، ۱۹۹۷ء، ص ۲۷۸)

آنا فی عطش وسخاك اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: برسن: برسنا، ہ ۴۳۸، ہار: موتیوں جیسی مالا، ہ ۶۸۲، برسن ہارے: برسنے والے یا بارش والے، رم جھم رم جھم: چھوٹی چھوٹی پانی کی بوندوں کا برابر گرنا، ہ ۵۴۲، گرانا: نیچے ڈالنا، پھینکنا، ہ ۱۰۸۸۔

یا قافلتی زیدی اجلك رحمے بر حسرت تشنہ لبک
مورا جیا لرجے درک درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: مورا: میرا، ہ ۵۲۲، جیا: من، دل، ہ ۲۰۰، لرجے: لرجنا، ہلنا، کانپنا، ہ ۵۵۴، درک درک، خوف زدہ، سہما ہوا، ہ ۲۶۹۔

واہاً لسویعاتٍ ذہبت آں عہد حضور بارگہت
جب یاد آوت موہے کر نہ پرت دردا وہ مدینے کا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: آوت: آتا ہے، ہ ۵۸، موہے: مجھ کو، ہ ۵۲۲، پرت: پڑتا ہے، ہ ۴۵۷، دردا: درد سے، ہ ۲۶۹، درد سے دردا ہندی بولی بمعنی تکلیف۔

القلب شج والھم شجون دل زار چناں جاں زیر چنوں
پت اپنی بپت میں کاسے کہوں مرا کون ہے تیرے سوا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: پت: عزت، مالک، سوامی، ہ ۳۵۲، بپت: دکھ درد، رنج و تکلیف، ہ ۴۵۳، کاسے: کس سے، کس کو، ہ ۱۰۷، جانا: جانا بوجھا، ف ۴۴۷، یا جاناں سے جانا بمعنی محبوب، پیارا اور عزیز جان ف ۴۴۳۔

الروح فداك فزد حرقاً یک شعلہ دگر برزن عشقا
موراتن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

ہندی الفاظ مع معانی: مورا: میرا، ہ ۵۲۲، من: دل، س ۷۷۱، دھن: دولت، پیاری اشیاء، س ۴۸۷، پھونک دیا: جلا دیا، راکھ کر دیا، ہ ۴۲۵۔ پیارے: محبوب کے لیے کلمۂ خطاب: ہ ۳۲۲۔

مذکورہ بالا بھورنگی زبانوں سے متصف نعت کے علاوہ بہت سی ایسی نعتیں ہیں کہ جن میں کثرت سے ہندی اور ہندوستانی زبانوں کی حسین جلوہ گری ہے۔ مثلاً:

اندھیری رات ہے غم کی گھٹا عصیاں کی کالی ہے
دلِ بیکس کا اِس آفت میں آقا تو ہی والی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: اندھیری رات: کالی، سیاہ رات، ہ ۱۲۹، گھٹا: کالی بدلی، ف ۱۱۲۱۔

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کر لے
اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اُجالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: اندھیرا پاکھ: ہندوستانی تاریخ و تہذیب میں مہینے کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ایک اُجالا پاکھ جس کو سنسکرت میں شکل پکچھ کہتے ہیں اور دوسرا اندھیرا پاکھ جس کو سنسکرت میں کرشن پکچھ

کہتے ہیں۔یعنی چاند کے مہینے کے پہلے پندرہ دن جس میں چاند کی روشنی دھیرے دھیرے بڑھتی ہے اس کو اجالا پاکھ کہتے ہیں اور بعد کے پندرہ دن جس میں چاند کی روشنی دھیرے دھیرے گھٹتی ہے اس کو اندھیرا پاکھ کہتے ہیں۔اترتے چاند: ڈوبتا چاند، آخر ماہ، ف ۶۳۔ ڈھلتی چاندنی: گھٹتی چاند کی روشنی، ف ۶۸۵۔اجالی: روشنی، چمک، ف ۶۶۔

ارے یہ بھیڑیوں کا بن ہے اور شام آگئی سر پر
کہاں سویا مسافر ہائے کتنا لا ابالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: ارے: دیکھو، تعجب کے لیے، ہ ۴۱، بھیڑیا، بن: جنگل، ہ ۴۳۵۔

اندھیرا گھر اکیلی جان دم گھٹتا دل اُکتاتا
خدا کو یاد کر پیارے وہ ساعت آنے والی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: اندھیرا گھر: جس میں روشنی نہ ہو، ہ ۷، دم گھٹنا: سانس رکنا، گھبراہٹ ہونا، ہ ۱۵۸، ف ۳۴۶۔ دل اکتانا: گھبرانا، ہ ۶۴، پیارے: محبوب کے لیے کلمۂ خطاب، ف ۳۲۲۔

زمیں تپتی کٹیلی راہ بھاری بوجھ گھائل پاؤں
مصیبت جھیلنے والے ترا اللہ والی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: کٹیلی راہ: نوک دار، کانٹے دار، ہ ۸۹، بھاری بوجھ: بہت وزنی، بوجھل: ف ۲۲۹۔ گھائل پاؤں: زخمی پیر، ہ ۱۵۷، ۱۷۳، جھیلنا: برداشت کرنا، ہ ۲۱۴۔

نہ چونکا دن ہے ڈھلنے پر تری منزل ہوئی کھوٹی
ارے او جانے والے نیند یہ کب کی نکالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: چونکا: خوف سے کانپا، بیدار ہوا، ہ ۱۷۹، ڈھلنا: لڑھکنا، بیتنا، ہ ۲۳۴۔ کھوٹی: ناقص، ادھوری، ہ ۱۳۷۔ ارے او: کلمۂ ندا و تعجب، ف ۵۷۔

اسی طرح دیوانِ رضا کی حسب ذیل نعت کو دیکھیں کہ ہندی الفاظ کا کتنا حسین امتزاج اس میں نمایاں ہے۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والے جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: سونا: بیابان، ویران، ہ ۶۶۱، رات اندھیری: کالی رات، سیاہ رات، ہ ۱۲۹، چھائی بدلی: پھیل کر چھایا ہوا بادل، ہ ۴۳۴، جاگتے رہیو: محاورۃ، بیدار رہنا، نہ سونا۔ رکھوالی: حفاظت کرنے والی یا طریقہ حفاظت، ہ ۵۳۱۔

آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: آنکھ سے کاجل چرانا: اس طرح چوری کرنا کہ کسی کو خبر تک نہ ہو، ف ۳۰، ہ ۱۰۴۔ چور بلا کے: انتہائی غضب کے، نہایت چالاک، ہ ۱۲۸، گٹھری: بڑی پوٹری، ہ ۱۳۹، تاکی: ٹکٹکی باندھ کر دیکھی، ہ ۱۹۰، نیند نکالنا: نیند پوری کرنا، ہ ۶۹۵-۱۲۹۷۔

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: ٹھگ: فریبی، چنچل، ہ ۲۲۳، مار ہی رکھے گا: مار ہی ڈالے گا، ہائے: آہ، افسوس، ف ۱۰۷، دم: دھوکہ، مت: عقل، ہ ۴۸۹، متوالی: جنونی، پاگل، ہ ۴۸۹۔

سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: سونا: زر، ف ۷۴۳، سونا: ویران، بیاباں، ہ ۶۶۱، سونا: نیند لینا، ہ ۴۳۸، میٹھی نیند: سکھ کی نیند، خوابِ راحت، ف ۱۳۲۷، مت: عقل، ہ ۴۸۹، نرالی: عجیب وغریب، ہ ۳۳۰۔

آنکھیں ملنا جھنجھلا پڑنا لاکھوں جمائی انگڑائی
نام پر اٹھنے کے لڑتا ہے اٹھنا بھی کوئی گالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: آنکھیں ملنا: ہ مسلنا، جھنجھلا پڑنا: چڑچڑانا، ہ ۲۱۳، جمائی: جمہائی لینا، ہ ۱۹۵۔ انگڑائی: سستی سے بدن کا ٹوٹنا، ہ ۶، ف ۱۳۲۔ اٹھنا: جاگنا، بیدار ہونا، ف ۶۷، گالی: فحش بات، بدزبانی، ف ۱۰۷۸۔

جگنو چمکے پتا کھڑکے مجھ تنہا کا دل دھڑکے
ڈر سمجھائے کوئی پون ہے یا اگیا بیتالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: جگنو چمکے: چمکدار اڑنے والا کیڑا، ف ۳۶۵، پتا کھڑکے: پتے کی آواز آنا، ہ ۱۳۰، دل دھڑکے: دل کا ہلنا، ڈرنا، ہ ۲۹۸، ڈر: خوف، ہ ۲۲۹، پون: ہوا، س ۵۹۷، اگیا بیتالی: غول بیابانی، بھوت پریت جیسا، ف ۱۱۱۔

بادل گرجے بجلی چمکے دھک سے کلیجہ ہو جائے

بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: بادل گرجے: بادل یا بجلی کی آواز، کڑک، ف ۱۰۸۸، بجلی چمکے: چمک، برق، ف ۱۸۱، دھک سے کلیجہ: اچانک سے، ہ ۲۹۸، حیران، ڈر، ف ۶۶۴۔ بن: جنگل، ہ ۴۳۵، گھٹا: بادلوں کا گروپ، کالی بدلی، ہ ۱۵۴، بھیانک: خوفناک، ہ ۴۰۷۔

پاؤں اٹھا اور ٹھوکر کھائی کچھ سنبھلا پھر اوندھے منھ

مینہ نے پھسلن کردی ہے اور دھڑ تک کھائی نالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: پاؤں: پیر، ہ ۱۷۳، ٹھوکر کھائی: کسی سخت چیز کی ٹکر لگی، صدمہ یا دھوکہ کھانا، ف ۴۳۱، سنبھلا: تھمنا، خبردار ہونا، گرنے سے بچنا، ف ۸۱۱۔ اوندھے منھ: منھ کے بل، ہ ۸۳، مینہ: بادل، بارش، ہ ۵۲۰، پھسلن: پھسلنے کی جگہ یا عمل، ہ ۴۲۳۔ دھڑ: کمر کے اوپر کا حصہ، ہ ۲۹۸۔ کھائی نالی: نالی جیسا گڈھا، ہ ۱۳۳۔

ساتھی کہہ کر پکاروں ساتھی ہو تو جواب آئے

پھر جھنجھلا کر سر دے پٹکوں چل رے مولیٰ والی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: ساتھی: دوست، ہمراہی، ہ ۶۴۰، جھنجھلا کر سر دے پٹکنا: بہت زیادہ غصہ، پیچ وتاپ کھانا اور چڑچڑا ہونا، ف ۴۹۶، ۲۷۸، ۲۱۳، ۲۶۸۔ چل رے: ہٹ، دور ہو، ف ۲۸۴، رے: کلمۂ نداو خطاب، ف ۵۷۔

پھر پھر کر ہر جانب دیکھوں کوئی آس نہ پاس کہیں

ہاں اک ٹوٹی آس نے ہارے جی سے رفاقت پالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: پھر پھر کر: ٹہل کر، چکر لگا کر، ہ ۴۲۳، آس: امید، ہ ۵۹، پاس: قریب، ہ ۵۹، ہارے جی: شکستہ دل، ٹوٹے دل، ہ ۲۰۱، ۶۸۲۔ اس شعر میں آس اور پاس کے مابین نہ کہ فصل نے شعر کے معنوی حسن کو دوبالا کردیا ہے۔

دنیا کو تو کیا جانے یہ بِس کی گانٹھ ہے حرافہ

صورت دیکھو ظالم کی تو کیسی بھولی بھالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: بِس: زہر، ہ ۴۵۵، گانٹھ: گٹھری، ہ ۱۴۴، زہر کی پڑیا ف ۴۰۰، بھولی بھالی: سیدھی سادھی، ہ ۴۸۳۔

شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کش

اس مردار پہ کیا للچانا دنیا دیکھی بھالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: ڈائن: بھیانک عورت، ہ ۲۳۰، للچانا: لالچ کی نیت سے دیکھنا، ہ ۵۵۴۔ دیکھی بھالی: جانی پہچانی، سمجھی بوجھی، ف ۸۷۲، جانچ پڑتال کی ہوئی، ہ ۲۸۹۔

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا

ہم مفلس کیا مول چکائیں اپنا ہاتھ ہی خالی ہے

ہندی الفاظ مع معانی: سستا سودا: کم قیمت، گھٹیا، ہ ۷۶۳، مول: قیمت، ہ ۷۵۱، چکائیں: ادا کریں، ہ ۱۷۵، ہاتھ خالی: روپیہ پیسہ پاس نہ ہونا، ف ۱۴۲۳۔

علاوہ ازیں دیوانِ رضا سے ہم کچھ چیدہ چیدہ اشعار ذیل میں مزید نقل کررہے ہیں ان سے بھی آپ یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ دیوانِ رضا میں ہندی الفاظ کی کتنی کثرت اور کیسی ادبی معنویت ہے:

کچھ ترے پروانے کو نام کی پروا نہ ہو

لاکھ جلیں ساتوں شمع بارہ کنول نو لگن

کاٹی بندھے دھار سے پہونچے کے مچھلی ڈگن

ہندی الفاظ مع معانی: پرواہ: فکر، ہ ۳۶۱، لاکھ: سو ہزار، ہ ۵۵۶، کنول: ایک پھول، گلِ نیلوفر، ف ۱۰۳۷۔ لگن: طشت، پرات، ف ۱۱۶۱۔ کاٹی: چھوٹا مہین کانٹا، ہ ۱۰۳، بندھے: پھنسے، اٹکے، ہ ۲۴۸۔ دھار: پانی کا بہاؤ، ہ ۳۰۳، ڈگن: مچھلی شکار کرنے کا ایک آلہ، ف ۶۸۰۔

کبھی زندگی کے ارماں کبھی مرگِ نو کا خواہاں

وہ جیا کہ مرگ قرباں وہ موا کہ زیست لایا

ہندی الفاظ مع معانی: جیا: زندگی، جی، پیارا، ف ۵۰۴، مُوا: مردہ، مرا ہوا، ف ۱۳۰۸۔

میل سے کس درجہ ستھرا ہے یہ پتلا نور کا

ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

ہندی الفاظ مع معانی: میل: گندگی، ہ ۵۲۰، ستھرا: صاف، ہ ۶۵۳، پتلا: مورتی، مجسمہ، ہ ۳۸۸، گلا: گردن، ہ ۱۴۲، کورا: نیا، غیر مستعمل جیسے کہا جاتا ہے کورا کاغذ، کورا برتن اور کورا گھڑا وغیرہ، ف ۱۰۴۲۔

یاں بھی داغِ سجدۂ طیبہ ہے تمغا نور کا

اے قمر کیا تیرے ہی ماتھے ہے ٹیکا نور کا

ہندی الفاظ مع معانی: ماتھا: پیشانی، جبیں، ہ ۵۰۵، ٹیکا: تِلک، قشقہ، صندل یا سندور یا ہلدی چاول کا نشان جو ماتھے پر لگایا جاتا ہے، ہ ۲۲۰، ف ۴۳۵۔

☆☆☆

AL-RAZA International (Bimonthly)
Ahmad Publications Pvt. Ltd., Hira Complex, Qutubuddin Lane,
Near Dariyapur Masjid, Sabzibagh, Patna, Bihar (India) 800004

Printed at: Ahmad Graphics, Patna #8521889323